بیان

محمد اللہ بخش ضیاء

بیان
محمد اللہ بخش ضیاء

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝
اور جب تک ہم اپنا پیغامبر نہ بھیجدیں ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے
(القرآن : ۱۷ : ۱۵)

هٰذَا

بَیَانٌ

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
(یہ عام لوگوں کے واسطے ایک کھلا بیان ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے راہِ عمل اور نصیحت ہے)
(القرآن : ۳ : ۱۳۷)

یعنی

قبولِ احمدیت کے متعلق عام مسلمانونکی اطلاع اور سائلین کے اطمینان کے لئے حقیقتِ حال کا اظہار

نیز

مسلمانونکی موجودہ مذہبی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی زبون حالی پر ایک محققانہ نظر

من

المجاهد فی سبیل ذی الکبریاء

محمد اللہ بخش ضیاء

طبعِ نخستین

ناظم ادارۃ الاشاعۃ للتبصرہ نے بازار کلان پشاور سے شائع کی

فِہرِسُ الْمَقَالَات

الفاتحة

چونکہ میں عرصہ دراز سے ایک طرف تو مختلف اسلامی فرقوں اور جماعتوں کے عقائد اور وجہ اختلافات پر غور کر رہا تھا اور دوسری طرف اُنکی اجتماعی موت و حیات کے سوال کے پیشِ نظر مسلمانانِ عالم کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کیلئے کوئی ٹھوس کام کرنیکی خواہش کے ماتحت سرگرمِ عمل ہوتے ہوئے عملی تجربہ کر رہا تھا اسلئے اب میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل وکرم سے مسلمانوں کے نفسیات، اخلاقی کیفیات اور مختلف افکار و حسیات کو ہر پہلو سے دیکھنے، بہ امعانِ نظر مطالعہ کرنے، سمجھنے اور عملی تجربہ کے بعد ایک آخری نتیجہ اخذ کرنیکا ایسا نادر موقع دیکر اپنے احسانات سے اس درجہ سرفراز کیا ہے کہ اسکے عوض میں ہمہ تن زبان ہوکر مدت العمر بھی اگر اظہارِ تشکر و امتنان کرتا رہوں تو حقِ شکر گذاری ادا نہ کر سکوں۔

وہ آخری نتیجہ کیا ہے؟ دُنیا کے سامنے اُسے پیش کر دینے کے بعد کن تاثرات کی امید کیجا سکتی ہے؟ عام مسلمان اُس سے کیا اثر لینگے؟ وہ لوگ جنکے ساتھ ملکر میں تجربہ کے طور پر کام کر رہا ہوں وہ اُس سے کیا سمجھینگے؟ یہ تمام ایسے سوالات تھے جنکا جواب تو معلوم تھا مگر اُنہیں آسان طریقہ سے حل کرنا مفید سمجھا جاتا تھا۔ اِسی وجہ سے یہ مناسب خیال کیا کہ ایک مختصر بیان کی اشاعت کے ذریعہ ان سوالات کو حل کر دیا جائے۔ چنانچہ پشاور میں ہی میں نے ایک بیان تیار کیا جسے اگرچہ حتی المقدور کوشش سے مختصر کیا گیا ہے تاہم اُس نے اب ایک کتاب کی صورت اختیار کر لی ہے جو اِس مجلد کی شکل میں آپکے سامنے اِس درخواست کے ساتھ رکھی جاتی ہے کہ آپ اِسپر ٹھنڈے دل سے غور فرماویں اور اُن حقائق کی اہمیت کو جو خالص واقعات کی بنیاد پر پیش کئے گئے

ہیں مدِنظر رکھتے ہوئے میرے پیش کردہ نتیجہ سے خود بھی فائدہ اُٹھائیں اور اِس طرح سے اپنی آیندہ نسلوں کو بھی ورطۂ ہلاکت سے بچالیں۔

اِس میں شک نہیں کہ بیان کو حتّی الوسع مختصر کیا گیا ہے اور اِسی وجہ سے اب مجھے ڈر ہے کہ بعض سوالات کا شاید اِس میں تسلّی بخش جواب نہ مل سکے مگر اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ بیان محض ایک بیان کی حیثیت رکھتا ہے جو اُن ذمہ واریوں کے پیشِ نظر جو نام نہاد مسلمانوں کیطرف سے مجھ پر عائد تھیں میرے لئے اِس موقع پر شائع کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اِسے قلم بند کرتے وقت یہ خیال تک بھی نہ تھا کہ یہ اِس کتاب کی صورت اختیار کرے گا اور نہ ہی اِس طریق پر لکھا تھا کہ یہ کسی ایسی کتاب کی صورت اختیار کرلے جس میں تمام ممکن تفاصیل مجتمع ہوں۔ عموماً کلّیات کے طور پر بعض خاص واقعات اِس میں پیش کردینا چونکہ ضروری تھا اِس لئے صرف اُنہی واقعات کو قلمبند کیا تھا جن پر دیگر جزئی واقعات کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور تفاصیل سے بچنے کے لئے جزئیات کو قطعاً نظر انداز کر دیا تھا۔ اندریں حالات چونکہ اندیشہ ہے کہ عوام النّاس جنہیں جزئیات کا علم نہیں دیا گیا ممکن ہے کہ بعض مسائل کو پوری طرح اِس کتاب کے مطالعہ سے نہ سمجھ سکیں لہذا میں اُنہیں یہ مشورہ دُونگا کہ اگر سلسلۂ عالیۂ احمدیہ کے متعلق وہ تفاصیل معلوم کرنا چاہیں تو حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تصانیف مطالعہ فرمائیں نیز سلسلہ کے دیگر مصنّفین کی کتب سے استفادہ کریں اور اگر سیاسی مسائل کے متعلق وہ مزید حالات اور مکمّل تحقیق کا علم حاصل کرنا چاہیں تو میری تصنیف تبصرہ کی اشاعت کا انتظار کریں جس میں تمام تفاصیل کو مجتمع کر دیا گیا ہے اور نہایت عرق ریزی سے صحیح

واقعات کو جمع اور بڑی احتیاط کے ساتھ تحقیق کر کے ایسے حقائق دُنیا کے سامنے پیش کئے گئے ہیں جن کا آج کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

چونکہ آج سے کم و بیش دو ماہ قبل میری تمام سرگرمیاں تحریکِ خاکساران کے لئے وقف تھیں اِس لئے ممکن ہے کہ اُس تحریک کے متعلق میری تمام دیگر تحریکات کی نسبت اِس بیان میں بہت زیادہ تفصیلات کو تلاش کیا جائے سو، جیسا کہ مَیں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اِس قسم کے بیانات تمام ممکن تفاصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے، مَیں نے اُس تحریک کے متعلق بھی اُن حقائق کو جو جزئیات کی حیثیت رکھتے ہیں اِس بیان میں پیش نہیں کیا۔ بناءً علیہ مَیں سائلین سے اب بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ اِس بیان میں محض کلّیات کو تلاش کریں اور جزئیات کے لئے تبصرہ میں چونکہ کافی گنجائش ہے اِس لئے اُس سے یہ توقع کریں کہ وہ اُن کے تمام سوالات کا جواب دے۔

قادیان دارالامان

۳ رجون ۱۹۳۳ء

محمد اللہ بخش ضیاء

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیحِ زمان ہے

(مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوالنّاصر

قبولِ احمدیت کا اعلان

(۱)

افتتاحیہ

اعوذ باللہ العزیز المستعان، بسم اللہ القوی الرحمٰن۔ الحمد للہ المحسن المنّان، جالی الاحزان۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ، امام الانس والجان، طبیب الجنان القائد الی الجنان۔ والسلام علیٰ اصحابہ الذین سعوا الی عیون الایمان کالظمآن، ونوّروا فی وقت ترویق اللیالی بنیّرَی اکمال العمل وتکمیل العرفان؛ وآلہ الذین ھم لشجرۃ النبوۃ کالاغصان ولشامّۃ النبیّ کالریحان۔*

(مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

* میں اُس خداتعالیٰ کی جو قوت والا اور امداد کرنیوالا ہے ہر بُرائی سے پناہ چاہتا ہوں، میں اپنا یہ بیان اُس خداتعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو قوی اور بخشنے والا ہے۔ وہ خداتعالیٰ جس کا ذاتی نام اللہ ہے اور جو احسان اور اپنے انعامات سے بیحد ممنون کرنیوالا ہے، وہی تمام ستائش اور صفت و ثنا کا سزاوار ہے، وہی میری مشکلات کو حل کرنے والا ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

سچے مسلمان کی وہ تعریف جو قرآن شریف میں موجود ہے اور جو قرونِ اولیٰ میں پائی جاتی تھی۔

خداتعؐ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج میں صحیح معنوں میں مسلمان ہوگیا۔ * اُسی معنی میں کہ جس میں ایک مسلمان بننے کا میں عرصۂ دراز سے متمنّی تھا۔ نہیں، بلکہ اُسی معنی میں کہ جس میں ایک مسلمان بننے کی آپ بھی آرزو رکھتے ہیں۔ اُسی معنی میں کہ جس میں عہدِ رسالت، زمانۂ صحابہؓ، دورِ تابعینؒ اور پھر تبع تابعینؒ کے ایام میں لوگ مسلمان ہُوا کرتے تھے اور اُسی معنی میں کہ جس میں کئی صدیوں تک لوگ مسلمان رہے۔ وہ صرف ایک معبودتعؐ کو پوجنے والے مسلمان، وہ صرف ایک خداتعؐ کو اپنا الٰہ یعنی حاکم سمجھنے والے مسلمان، وہ ربِّ وحیدتعؐ سے ڈرنے والے مسلمان، وہ خدائے ذوالجلال کے لئے اپنے گھروں کو چھوڑنے والے مسلمان، ماں، باپ، بہن، بھائی، زن و فرزند، خویش و اقارب اور دوست و احباب، مال و منال اور سب کچھ چھوڑ کر اُس معبودِ حقیقیتعؐ کے لئے ہجرت کرنیوالے مسلمان، وہ ربّ العزت کے لئے جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والے مسلمان، وہ مسلمان جنکے قول اور عمل میں ذرّہ بھر فرق نہ ہوتا تھا، وہ جہانگیر و جہان بان مسلمان، وہ مسلمان جو حسبِ وعدۂ الٰہی چین سے ہسپانیہ تک حکمران ہوگئے تھے اور وہ مسلمان

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) آفرین ہے اُنتعؐ کے رسولؐ پر اور سلامتی بھی اُنہی کے لئے ہے، جو بنی آدم کے طبقۂ عوام اور طبقۂ خواص کا پیشوا ہے، نسلِ انسانی کے قلوب کی امراض کا معالج ہے اور وہ انہی بہشت کیطرف اُن کی رہنمائی کرنیوالا ہے۔ اور اُس کے اصحابؓ پر سلامتی ہو جو پیاسوں کی طرح چشمۂ ایمان کیطرف دوڑ کر آئے اور جنہوںؓ نے رات کی تاریکیوں میں اپنے اعمال کے کمال اور ہستیٔ واجب الوجودتعؐ پر ایمان و یقین کی دو شعاعوں سے روشنی پیدا کردی؛ اور سلامتی ہو اُس رسولؐ کی پیروی کرنے والوں پر جو نبوت کے درخت کے لئے بطور شاخوں کے ہیں اور رسولؐ کو اُنؓ کیطرف سے ایسی خوشبو آتی ہے جیسے کہ وہ برگِ ریحان کو سونگھ رہے ہوں۔

* اِس فقرہ سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ لیں کہ میں پہلے مسلمان نہ تھا اور اب مسلمان ہوگیا ہوں۔ نہیں، بلکہ جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے میں پہلے بھی مسلمان تھا، مگر اب میں نے احمدیت قبول کرلی ہے جو اس زمانہ میں اصل اسلام ہے۔

جنہیں قرآنِ شریف نے حسبِ ذیل الفاظ میں یاد کیا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(۴۸ : ۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور وہ لوگؓ جو اُنؐ کے ساتھ ہیں کفار پر تو سخت ہیں مگر آپس میں بہت ہی مشفق اور مہربان ہیں، تو اُنہیں دیکھتا ہے کہ وہ خداتعؐ کے حضور میں جُھکے ہوئے ہیں، اپنا سرِ نیاز اُنتعؐ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور صرف اُسیتعؐ سے اُنتعؐ کے فضل اور اُنتعؐ کی رضامندی کے طلبگار ہیں۔ بے شمار سجدوں کا اثر اُن کے ماتھوں پر نشان کی صورت میں ظاہر ہے۔ یہی مثال اُن کی تمہیں تورات میں بھی ملے گی اور یہی مثال اُنکی تم انجیل میں بھی پاؤگے۔ یہ جماعت ایک کھیت کی مانند ہے جسکی سوئی ابھی ہی نمودار ہوئی ہو پھر اُس نے زور پکڑا ہو، موٹی ہوئی ہو اور اپنی جڑ پر کھڑی ہوگئی ہو۔ اِس کھیت کا بونے والا تو دیکھ دیکھ کر خوش

ہو رہا ہے اور کفار غصہ سے سُرخ ہو رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ
نے اِن لوگوں میں سے اُنہیں جو ایمان لا کر اعمالِ صالح بھی کرتے
ہیں بہت بڑی عنایت اور بہت بڑے اعزاز و اکرام کا وعدہ
دیا ہُوا ہے۔

میری دُعا ہے کہ خداوندِ عزّوجل آپ کو بھی جلد از جلد میری طرح صحیح معنوں میں مسلمان کر دے۔ آمین یا رب العٰلمین۔

ایمان کی تشریح، اعلان اور اُس پر گواہی۔

آپ سب اِس امر کے گواہ رہیں کہ مَیں اُس خدا تعالیٰ پر ایمان لے آیا ہوں جو واحد اور لاشریک ہے۔ وہ خدا تعالیٰ جو اَب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا، وہ خدا تعالیٰ جو اَب بھی بولتا ہے جیسا کہ پہلے اپنے نیک بندوں سے بولتا تھا، وہ خدا تعالیٰ جسکی تمام صفات ازلی اور ابدی ہیں اور جسکی کوئی صفت نہ پہلے کبھی معطل ہوئی تھی اور نہ آئندہ کبھی معطل ہوگی۔ وہ خدا تعالیٰ جس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی، وہ خدا تعالیٰ جس کا نہ کوئی ماں ہے اور نہ باپ، نہ بھائی ہے نہ بہن اور نہ بیوی ہے نہ جورو۔ آپ گواہ رہیں کہ مَیں نے اِس حقیقت کو بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جس طرح مٹی اور پانی کے اندر اُس خالقِ تعالیٰ کُل کی مخلوق ہے اِسی طرح اُن عناصر میں بھی اُس تعالیٰ کی مخلوق ہے جن عناصر کا اُنہی کو بخوبی علم ہے اور جن میں سے بعض ہمارے مشاہدہ میں ابھی تک نہیں آئے اور شاید آئندہ بھی نہ آئیں۔ مَیں اقرار کرتا ہوں کہ وہ تعالیٰ ہمیشہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے بوقت ضرورت اُنہیں اِس دنیا میں مناسب طور پر زندگی بسر کرنے کا طریقہ دکھانے کی غرض سے دساتیر العمل اور نظامنامے بھیجتا رہا ہے جن میں سے آخری کتاب قانونِ فرقانِ حمید ہے جو ایک مکمل لائحۂ عمل ہے، اِسکے بعد تا قیامت ساکنانِ زمین کو کسی جدید دستور

کی ضرورت نہیں ہوگی اور اِسی لئے اِسکے بعد کوئی صحیفہ نازل نہیں کیا جائے گا
کما قولہٗ تعالیٰ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ
رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط
(۵:۳)

آج مَیں نے تمہارے دین کے تمام دستور العمل کو تمہارے
لئے مکمل کر دیا ہے اور مَیں نے اپنی تمام نعمت تم پر پوری
کر دی ہے اور اسلام کو تمہارے لئے آئینِ عمل کے
طور پر پسند کیا ہے۔

مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنا ہدایت نامہ انسانوں میں سے کسی انسانؑ کے توسّل سے بھیجتا رہا ہے، چنانچہ وہ آخری انسانؐ جو خیرالانام، ختم المرسلین، خاتم النبیین اور فخرِ موجودات ہے اور جس کا نام محمدؐ ہے (فداہ امّی و ابی) جزیرہ نمائے عرب کا ایک امّی اور یتیم ہاشمی تھا۔ اللّٰھم صلّ علی سیّدنا و مولٰنا محمّد و علیٰ اٰل سیّدنا و مولٰنا محمّد و علیٰ اصحاب سیّدنا و مولٰنا محمّد کما صلّیت علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انّک حمیدٌ مجید ○ اب خدا تعالیٰ کے اِس پیارے رسولؐ کے بعد کوئی نبیؑ اِس صفحۂ زمین پر نہیں آسکتا جو اُس کا ہم رتبہ ہو، شان میں اُسؐ کے برابر ہو یا وہی منصب رکھتا ہو جو اُسؐ کا تھا ○

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال | لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
(مسیح موعود علیہ السلام)

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ موت کے بعد مجھے وہ خالقِ تعالیٰ زمین و آسمان پھر ایک زندگی دے گا تا مجھے میرے اعمال کی جزا و سزا ملے مگر اُس وقت کا علم جبکہ مَیں پھر زندہ کیا

جاؤں گا مجھے نہیں دیا گیا۔ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللهِ (۷: ۱۸۶) اُس کا علم خداوندِ عزّ وجل کو ہے:

اٰمَنْتُ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاٰمَنْتُ بِكِتَابِ اللهِ الْعَظِيْمِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ وَاتَّبَعْتُ اَفْضَلَ الرُّسُلِ اللهِ وَخَاتَمَ الْاَنْبِيَآءِ اللهِ مُحَمَّدَنِ الْمُصْطَفٰى وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

رَبِّ اَحْيِنِيْ مُسْلِمًا وَّتَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ عِبَادِكَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَنْتَ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا يَعْلَمُ غَيْرُكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الشَّاهِدِيْنَ ۝

احمد نبی اللہ کی صداقت کا اقرار، خداتعالیٰ کی ہستی پر مسلمانوں کا پورا یقین نہ ہونے پر استدلال کے طور پر ایک ڈپٹی کمشنر کی ہستی کے اقرار اور اُس سے ڈر اور خوف کی مثال،

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ **حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام** اللہ تعالیٰ کے سچے **نبیؑ** ہیں جو اُس تعالیٰ کے **زندہ رسول حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وسلم** کے اُمتی ہیں اور اِس صدی کے سر پر اِس لئے مبعوث ہوئے تھے کہ زندہ خدا تعالیٰ پر ایک مرتبہ پھر ہمارے ایمان کو پختہ کردیں۔ ہم خدا تعالیٰ کو مردہ بلکہ عملاً نیست سمجھتے ہیں یعنی ہم اپنے روزمرّہ کے اعمال سے یہ ظاہر کررہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کوئی نہیں۔ مُنہ سے تو ہم "خدا تعالیٰ ایک ہے، خدا تعالیٰ ایک ہے" اُسی طرح جپتے ہیں جس طرح **پنڈت جی** کوئی **اشلوک** پڑھتے ہیں، مگر افعال و کردار سے دنیا کو یہ بتاتے ہیں کہ "خدا تعالیٰ نہیں

ہے۔ خدا تعالیٰ کہاں ہے؟ وہ تعالیٰ تو کسی جگہ نہیں ہے"۔

ذرا غور کیجئے، ہم ایک **ڈپٹی کمشنر** کی ہستی کے قائل ہیں کہ ضلع پشاور کا ڈپٹی کمشنر اِسی ضلع میں **موجود** ہے۔ وہ یا تو چھاؤنی میں اپنی کوٹھی پر ہوگا، یا عدالت میں ہوگا، یا اِسی ضلع میں دَورہ پر ہوگا۔ اُسکے **مکان** کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ چنانچہ وہ دفعہ ۱۴۴ نافذ کرکے اگر یہ **حکم** دیدے کہ ۵ آدمیوں سے زیادہ کسی عام جگہ پر لوگ جمع نہ ہوں تو ہم اِس حکم کی پوری پوری **تعمیل** کرتے ہیں۔ ہم میں سے وہ شخص جو اِس حکم کی تعمیل نہیں کرتا بڑی ہمّت والا شمار کیا جاتا ہے۔ اب اِسکے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کہتا ہے: جھوٹ مت بولو، غیبت نہ کرو، **سود نہ کھاؤ**، **لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح ترکہ میں سے حصّہ دو**، اغلام نہ کرو، زنا نہ کرو، شراب مت پیو، چوری مت کرو، **قتل مت کرو**، **یتیموں کا مال مت کھاؤ**، دھوکے سے پیمانہ کم کرکے سودا مت فروخت کرو، مسلمان بھائی کو اپنی زبان سے یا اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ دو، **شادیوں اور اموات پر نیز اپنی دوسری رسوم پر روپیہ زیادہ خرچ نہ کرو**، اسراف نہ کرو بلکہ ہر چیز، ہر فعل اور ہر کام میں **اعتدال** کرو، **انصاف** پر قائم رہو، ہر مسلمان بھائی پر **اعتماد** کرو اور کسی مسلمان کے متعلق بُرا گمان نہ کرو، میری، میرے رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور میرے راستے میں جہاد کرنے کی نسبت اپنی اولاد، ماں باپ، خویش و اقارب، مال و جائداد، اور کاروبار کے ساتھ زیادہ شغف رکھ کر اُنکی محبّت اور اُنکے عشق میں مبتلا نہ ہو جاؤ بلکہ میرے ساتھ اور میرے رسُول کے ساتھ سب سے زیادہ **محبّت** کرو اور میرے راستہ میں جہاد کو سب سے زیادہ پسند کرو، میری، میرے رسولؐ اور اُس

حاکم کی جو تم ہی میں سے ہو (یعنی اُس مسلمان کی جو تمہارا امیر ہو) پوری پوری اطاعت کرو وغیرہ احکام بصورت اوامر یا بشکل نواہی جو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب قانون یعنی قرآنِ مجید میں درج ہیں، سنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہیں یا کُتبِ احادیث میں مسطور ہیں۔ خداوندِ عزّ و جلّ کے اِن احکام کی ہم کس حد تک تعمیل کرتے ہیں؟ اِس کا جواب ہر شخص اپنے دل میں سوچکر خود ہی اپنی ضمیر کو دیدے۔ مگر جو جواب آپ سوچیں گے اُس کا کچھ حصہ مَیں یہاں پر بھی لکھ دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اِن احکام میں سے کسی ایک حکم کی بھی ہم تعمیل نہیں کرتے۔ اب آپ خود ہی انصاف کریں اور غور فرمائیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا بھی اُسی طرح ہمیں یقین ہوتا جس طرح ضلع پشاور میں ایک معمولی اور کمزور انسان یعنی حاکمِ ضلع کے وجود کا ہمیں یقین ہے تو اگر سب کے سب نہیں تو بعض احکامِ خداوندی کی ہم ضرور تعمیل کرتے۔

ڈپٹی کمشنر کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں ہمیں جو سزا ملتی ہے وہ ہم، بہرصورت، آسانی سے، بغیر کسی ناقابلِ برداشت مشقت کے سہ سکتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی سزا کا ایک حصہ ہم روزانہ آنکھوں کے سامنے دیکھ بھی رہے ہیں کہ وہ ہرگز برداشت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ بہت سخت ہے، لیکن پھر بھی ہم محسوس نہیں کرتے۔ ڈپٹی کمشنر ہمیں جیل بھیج دے گا تو ہمیں رونا نہیں آئے گا، مگر خدا تعالیٰ ہمیں روزانہ دردناک سزائیں دے دیکر رُلا رہا ہے لیکن ہم اُسے خدا تعالیٰ کی سزا نہیں سمجھتے بلکہ اپنی قسمت کی خرابی پر اُسے محمول کرتے ہیں۔ اُس تعالیٰ نے ہمیں مفلس بنا دیا، بیماریوں کو ہمارے گھروں میں داخل کر دیا، آج کون مسلمان تندرست ہے، آج کس مسلمان کا گھر بیماری سے خالی ہے، آج ہمارے گھر بھی ہمارے قبضہ میں نہیں رہے جائیدادیں

گروی ہیں، بک چکی ہیں یا نیلام ہوگئی ہیں اور اگر نہیں ہوئی ہیں تو ہونے والی ہیں، آج ہمارے بہن بھائی میں عداوت ہے، بیٹا باپ کا دشمن ہے، اور ماں بیٹی کے خون کی پیاسی ہے گویا وَاَلْقَیْنَا بَیْنَہُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ (۵:۶۴)* کا کلمہ ہمارے لئے بھی یہودیوں کیطرح کہا جاچکا ہے۔ تجارت میں نقصان، زراعت میں گھاٹا، آپس کی دشمنیاں، حکّامِ وقت کا جور و ستم، ہزار قسم کی بیماریاں وغیرہ ہزاروں مصیبتیں۔ یہ سب کیا ہے؟ عذابِ الٰہی اِسی کا نام نہیں تو پھر گویا عذابِ الٰہی کوئی چیز ہی نہیں۔ ہمارا کھوئی ہوئی حکومت کو یاد کرکے رونا، ہمارا بکے ہوئے اور گروی اور نیلام شدہ مکانات اور جائیداد کو یاد کرکے گریہ وزاری کرنا، ہمارا اپنی خرابیٔ صحت اہلِ خانہ اور خویش و اقارب کی بیماریوں کو دیکھ دیکھ کر غم کھانا، تجارتی نقصانات پر رسوا ہونا اور آنسو بہانا، اپنی خانہ جنگی پر نوحہ خوانی کرنا اور اِس قسم کے ہزاروں مصائب و آلام پر مرثئے پڑھنا اور واویلا کرنا کیوں ہے؟ اگر یہ تمام مصائب دراصل مصائب نہیں تو ہم آہ و بکا کیوں کرتے ہیں؟ اگر یہ نالہ و فغان اِس لئے ہے کہ اِن واقعات نے ہمیں تکلیف میں ڈال دیا ہے تو پھر یہ کونسی عقلمندی ہے کہ اُس مصیبت کا دراصل ایک مصیبت ہونا یقین نہ کرلیں؟ یا پھر اِس یقین کے بعد یہ کیوں کہیں کہ یہ سب مصائب خرابیٔ قسمت کی وجہ سے ہیں؟ یہ کیوں نہ سمجھیں کہ یہ ہمارے اعمالِ بد کے نتائج کے طور پر عذابِ الٰہی ہم پر نازل ہوا ہے؟ تکلیف اُٹھانے کے بعد بھی اُسے خرابیٔ قسمت پر محمول کرکے عذابِ الٰہی نہ سمجھنا اگر زندہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا صریح انکار نہیں تو پھر کیا ہے؟ آپ خود اپنے ہی گریبان میں مُنہ ڈال کر سوچیں اور اِس کا جواب خود ہی اپنی ضمیر کو دے دیں۔

* اور ہم نے اِن نافرمانیوں کی سزا کے طور پر قیامت تک کے لئے اُن میں عناد اور بغض و نفرت کے جذبات پیدا کر دیئے۔

مَیں تو اِسے عذابِ الٰہی سمجھتا ہوں جو ہماری نافرمانیوں کی وجہ سے ہم پر نازل ہُوا ہے اور یہ **نافرمانی** اِس امر کی شاہد ہے کہ ہم خداؔ کی ہستی کے اِس حد تک بھی قائل نہیں جس حد تک کہ ایک ڈپٹی کمشنر کے وجود کے قائل ہیں. کیونکہ حاکمِ ضلع کی نافرمانی تو ہم میں سے صرف وہی کرتا ہے جو بڑا اجرأت والا ہوتا ہے مگر خداؔ کی نافرمانی ہم میں سے ہر ایک کمزور اور نحیف انسان بھی شب و روز کرتا رہتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ہستیٔ باری تعالیٰ پر ایمان نہیں۔

پس اِسی **ایمان** کو تازہ کرنے، اُسی بھولے ہوئے خداؔ کی یاد کو زندہ کرنے اور اُسی ربِّ قدیر کی ہستی کو ظاہر کر دینے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی انسان آتا جس کے پاس زندہ خداؔ کے ظاہر نشانات اور **آیات** بھی ہوتے تا وہ سند ہمیں دکھا کر زندہ خداؔ کی طرف **متوجہ** کرتا اور ایک دفعہ پھر اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ (۲:۳)* پر ہمارے ایمان کو **مستحکم** کر دیتا. چنانچہ وہ ایک انسانؑ آیا جسے اکثر لوگوں نے قبول کیا:

دنیا میں ایک **نذیر** آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا پر خداؔ اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ (حقیقۃ الوحی ص۵۸)

نبی کی ضرورت کے لئے مزید دلائل، خداؔ جب اسلام کی حفاظت کا وعدہ کر چکا ہے تو وہ اُسے کس طرح بے یار و مددگار چھوڑ سکتا تھا.

کاش ہماری ضروریات کھُلے طور پر نظر نہ آتیں اور ہم خداؔ کے رسولؐ کی **ضرورت** محسوس نہ کر رہے ہوتے. مگر جب دیکھتے ہیں کہ ہماری مشکلات روز بروز بڑھ رہی ہیں، ہم آئے دن قرآنِ مجید کی تعلیم سے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ارشادات اور خدائے وحید کے فرامین و احکام سے دُور ہوتے جا رہے ہیں. ہم اسلام سے اِس قدر دُور چلے گئے ہیں جس قدر یہودی توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم سے

* اللہ تو وہ ہے کہ سوائے اُس کے اور کوئی حاکم نہیں اور وہ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔

دُور ہو گئے تھے. پھر کیا وجہ ہے کہ زندہ خداؔ اِس وقت اپنے زندہ نبی محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ کو اِتنا فیض بھی نہ دیتا جتنا کہ اُس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ذریعہ پہنچایا تھا؟ ایک طرف تو وہؔ دینِ اسلام کی **حفاظت** کا وعدہ فرماتا ہے کما قولہٗ تعالیٰ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱۵:۹)

ہمیں نے قرآن کو نازل کیا اور ہمیں اُسکے نگہبان ہیں

اور دوسری طرف وہؔ اُس کو یونہی بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے!

بیکسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست	ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست
ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن برُد	حیف بر چشمیکہ اکنوں نیز ہم ہشیار نیست

(مسیح موعود علیہ السلام)

یا تو اسلام کی حفاظت کے متعلق خداؔ کا وعدہ غلط تھا. (نعوذ باللہ منہا) اور یا خداؔ نے اُسکی حفاظت کے لئے ضرور کسی کو بھیجا ہے مگر ہم شاید اُسے ابھی تک پہچان نہیں سکے کہ وہ کون ہے۔ الحمد للہ والمنّۃ کہ مَیں نے خداؔ کے اُس نبیؑ کو پہچان لیا ہے کیونکہ مَیں پہلے سے جانتا تھا کہ وہ کوئی نبیؑ ہی ہوگا جو اِن بدبختیوں سے ہمیں نجات دے گا۔ چنانچہ مَیں نے اُس نبیؑ کی آواز کو سُن لیا اور اُس پر لبیک کہا، والحمد للہ علےٰ ذٰلک. مَیں نے خداؔ کے اُس برگزیدہ نبیؑ کا یہ **الہام** پڑھا اور مَیں اُس پر **ایمان** لے آیا:

قُلْ جَآءَكُمْ نُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ فَلَا تَكْفُرُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(حقیقۃ الوحی ص۸۳)

اے نبی اللہ! مسلمانوں سے کہدیجئے کہ اِن بدبختیوں سے

تمہیں نجات دلانے اور بحرِ ظلمات سے نکالنے کے لئے
تمہارے پاس خداؔ کی طرف سے روشنی آئی ہے پس اگر تم خداؔ
پر، اُسؔ کے رسول خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم،
اُسؔ کی آخری کتاب قانون فرقان اور یوم الدین پر ایمان رکھتے
ہو تو اِس نبی کو نہ جھٹلاؤ۔

مجھے **نور** کی ضرورت تھی اور وہ مجھے مل گیا۔ وماھو اِلّا من فضل ربّی۔ وہ ضرورت جو مجھے تھی، ہدایت اور روشنی کی ضرورت تھی۔ وہ کسی دجّال کے قتل کی ضرورت نہ تھی وہ دینِ اسلام کی صداقت کو ایک مرتبہ پھر ثابت کرنے کی ضرورت تھی، مسلمانوں کے مقابلہ میں اسلام کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے اندر مختلف فرقوں کے اختلافات کو مٹا کر اُنہیں صحیح راہِ عمل دکھانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ وہ حسبِ وعدۂ الٰہی ایک **مسیحا نفس** کے آنے سے پوری ہوگئی:

"اِس جگہ اِس سوال کا حل کرنا بھی ضروری ہے کہ مسیح کس عمدہ اور اہم کام کے لئے آنے والا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ دجّال کے قتل کرنے کے لئے آئے گا تو یہ خیال نہایت ضعیف اور بودا ہے، کیونکہ صرف ایک کافر کا قتل کرنا کوئی ایسا بڑا کام نہیں جسکے لئے ایک نبی کی ضرورت ہوتا۔ مگر اِس صورت میں کہ کہا گیا ہے کہ اگر مسیح قتل بھی نہ کرتا تب بھی دجّال خود بخود دگھل کر نابود ہو جاتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسیح کا آنا اِسلئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے کہ تا تمام قوموں پر دینِ اسلام کی سچائی کی حجت پوری کردیں، تا دنیا کی ساری قوموں پر خدائے تعالیٰ کا الزام وارد ہو جائے۔ اِسی کی طرف اشارہ ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مسیح کے دم سے کافر مرینگے یعنی دلائلِ بیّنہ اور براہینِ قاطعہ کی رو سے وہ

ہلاک ہو جائیں گے۔ دوسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ اسلام کو غلطیوں اور الحاقاتِ بیجا سے منزہ کرکے وہ تعلیم جو رُوح اور راستی سے بھری ہوئی ہے خلق اللہ کے سامنے رکھے۔ تیسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ ایمانی نور کو دنیا کی تمام قوموں کے مستعد دلوں کو بخشے اور منافقوں کو مخلصوں سے الگ کر دیوے۔" (ازالۂ اوہام جلد اوّل ص۲۵)

پس آپ گواہ رہیں کہ مَیں آج صحیح معنوں میں مسلمان ہوگیا، کیونکہ یعنی زندہ خداؔ کے تازہ بتازہ کلام کو حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے ذریعہ سُن لیا اور مَیں ایمان لے آیا کہ خداؔ اب بھی زندہ ہے جیسا کہ وہؔ پہلے زندہ تھا اور اب بھی بولتا ہے جیسا کہ وہؔ پہلے بولتا تھا۔ سرورِ کائنات سیدنا محمد علیہ افضل التحیات خدا کے وہ آخری نبی ہیں جنکے بعد کوئی **مستقل** نبی نہ آیا ہے اور نہ آئے گا۔

سرورِ کائنات سیدنا محمد علیہ افضل التحیات کے بعد کوئی مستقل نبی نہ آیا ہے اور نہ آئندہ کبھی آئے گا، مسیح موعود علیہ السلام اُسی خاتم النبیین کے اُمتی ہیں اور ظلی انبیاء بھی اُسی کے فیض سے مبعوث ہوئے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اُسی پیارے نبی یعنی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اُسی امت کو تازہ ایمان سے مشرف کرنے اور دینِ اسلام کی صداقت کو دنیا پر روشن کرنے کے لئے خاتم النبیینؐ ہی کے اُمتی اور غلام ہوتے ہوئے ظلِ انبیاء میں بھیجے گئے ہیں تاکہ سرورِ کائنات علیہ افضل التحیات کا کمال اور جلال دنیا پر ظاہر ہو جائے۔

اِستقلالِ مزاج کا ثبوت

(۲)

قبولِ احمدیت پر لوگوں کو اُنکے تحیر و استعجاب سے نجات دلانے کی غرض سے یہ بیان لکھا گیا،

مَیں جانتا ہوں کہ آپ یہ سُن کر حیران ہوگئے ہونگے کہ مَیں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام پر ایمان لے آیا ہوں۔ چنانچہ اِسی تحیر و استعجاب سے آپ کو خلاصی دینے کے لئے مَینے یہ **بیان** لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور اب میں آپ کو یہ بتا کر کہ مَینے کیوں **احمدیت** یا زمانۂ حاضرہ میں صحیح اسلام کو قبول کیا ہے اُس تحیر و تعجب سے نجات دلاؤں گا۔ آپ پہلے تو میرے قبولِ احمدیت کو جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ سمجھیں گے اور اِسی وجہ سے حیران بھی ہونگے۔ پھر اسے میرے **تلوّنِ مزاج** پر محمول کر کے اپنے دل کو تسلّی دے لینگے۔ مگر بھائیو! اوّل تو یہ نہ جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہے اور نہ ہی میرے مزاج میں خطرناک تلوّن ہے۔ اس لئے حیران ہونا بھی **غلط** اور اِس قسم کی بدگمانی اور ایسا الزام بھی **بے بنیاد**۔ چنانچہ اوراقِ مابعد کے مطالعہ سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ وہ تحیر کیوں غلط اور یہ اتّہام کیوں بے بنیاد ہے۔

تحقیقِ حق کی ابتداء، احمدیت سے مخالفت، مسلمانوں کی عالمگیر اصلاح کا ابتدائی جذبہ

مجھے ابتدا سے **تحقیق** کا شوق تھا چنانچہ ابھی میں سکول میں ہی پڑھتا تھا کہ لاہور کے ایک مسلمان * نے حضرت

* اُن کا نام عبدالاحد تھا، ضلع ہزارہ کے باشندے تھے مگر بعد میں لاہور کو اپنا وطن بنایا، جج بھی (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

مرزا غلام احمد علیہ السلام کے خلاف چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ لکھے اور وہ خود اپنے جھنڈوں اور تھیلوں کے ساتھ پشاور آیا تاکہ اپنے اشتہارات اور ٹریکٹ قیمتاً لوگوں کو دے۔ میں نے بھی اُس سے وہ ٹریکٹ خریدے اور پڑھے۔ اُسکے علاوہ گھر میں بعض رسائل اور اخبارات بھی آتے تھے جن میں احمدیت کی مخالفت ہوتی تھی اور مجھے اِس سچے اسلام کے خلاف مطالعہ کے لئے کافی مواد مِل جاتا تھا۔ بزرگوں * کی صحبت میں بھی اکثر ایسے مسائل سُننے میں آتے تھے جو میرے لئے بالکل نئے ہوتے تھے اور میرے اُس زمانہ کے مبلغ علم میں اُن سے بھی کافی اضافہ ہو جاتا تھا۔ اپنی اُس علمی استعداد کا ایک دن اندازہ جو کیا تو خیال ہُوا ایک رسالہ لکھوں چنانچہ احمدیت کے خلاف ایک چھوٹا سا رسالہ تیار کیا مگر افسوس کہ وہ مسوّدہ کہیں **تلف** ہوگیا۔ میرے ایک عزیز مسٹر عبداللطیف سیٹھی، بی، اے میرے خوب دوست تھے اور ہم اکثر جب ملتے تو مسلمانوں میں اصلاحی ضروریات کے موضوع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیا اور جھنڈے والے مشہور ہوئے کیونکہ احمدیت کے خلاف کچھ ٹریکٹ لے کر ایک نشان کے ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے تھے چنانچہ اکثر پشاور بھی آتے تھے۔ اب وہ فوت ہو چکے ہیں اور معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔

* بزرگوں سے مراد علی الخصوص میرے نانا حاجی غلام محی الدین صاحب مرحوم ہیں جنکا ۱۹۲۴ء میں انتقال ہُوا۔ اُن کا مکان شہر پشاور کے کوچہ گل بادشاہ جی میں تھا جہاں پر کہ جماعت احمدیہ کی مسجد واقع ہے۔ اُس زمانہ میں بھی ایک دن تحقیق کی غرض سے احمدیوں کی مسجد میں ایک دوست مسٹر واجد علی شاہ کے ساتھ گیا۔ نماز مغرب کا وقت تھا۔ نماز کے بعد درسِ قرآن شروع ہُوا مَیں بھی اُس میں اپنے دوست کے ہمراہ شریک ہُوا۔ مجھے یاد ہے کہ مَینے کچھ اعتراضات بھی کئے تھے جنکا جناب قاضی محمد یوسف صاحب نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا تھا۔

پر گھنٹوں گفتگو ہوتی رہتی۔ چنانچہ اُس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہم نے ایک اصلاحی مجلس قائم کی۔ مگر وہ بچپن یعنی ضعف کا زمانہ تھا، اِسی لئے وہ مجلس بھی ضعیف ہی تھی اور کچھ عرصہ کے بعد ہماری تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے وہ خود بخود ختم ہوگئی۔ اُس وقت بھی میری نظر عالمگیر اصلاح پر تھی اور اِسی وجہ سے مسٹر عبداللطیف سیٹھی مجھ سے اکثر جھگڑتے تھے کہ تم یکدم یونیورسلزم کی طرف چلے جاتے ہو۔

معاشرتی اصلاح کے بغیر سیاسی اصلاح ناممکن ہے، ۱۹۲۹ء میں میرا عقیدہ۔

اِسکے بعد مَیں بہت عرصہ تک مغربی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرتا رہا، چنانچہ علیگڈھ سے واپسی پر ۱۹۲۷ء میں پھر ایک مرتبہ اطمینان نصیب ہُوا تو سیاسیات کی طرف متوجہ ہُوا۔ **۱۹۲۹ء** میں ایک چھوٹا سا رسالہ مسلمانوں کی سیاسی حالت کے متعلق لکھا اور مسٹر اللہ بخش یوسفی کے ذریعہ اُسے چھپوایا۔ * مجھے یاد ہے کہ اُس رسالہ میں مَیں نے مسلمانوں کے لئے ایک دستور العمل تجویز کیا تھا جو خالصتاً مذہبی نقطۂ نظر سے تھا اور ایک خالص اصلاحی سکیم تھی۔ مَیں نے اُس میں لکھا تھا کہ جب تک مسلمان اپنی اندرونی اصلاح نہیں کرینگے کوئی سیاسی اصلاح کامیاب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اِس نظریہ کے متعلق مسٹر یوسفی بھی مجھ سے اختلاف رکھتے تھے کیونکہ اُنکا عقیدہ

* میرا دعوٰی ہے کہ سیاسی اصلاح سے قبل معاشرتی اصلاح کا تخیل مَیں نے سب سے پہلے ہندوستان کے پیش کیا تھا اگرچہ مَیں نے اپنی کتاب تذکرۂ ضیاء ۱۹۲۹ء میں شائع نہیں کی مگر یہ واقع ہے کہ اُس کا ایک نسخہ علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کو مَیں نے اُسی سال پڑھنے کے لئے دیا تھا۔ چنانچہ اُس نظریہ پر چار برس کے متواتر غور و خوض کے بعد تحریک خاکساران کی صورت میں اُنہوں نے میرے پیشکردہ نظریہ کو عملی رنگ دیا۔ اُنہوں نے اِس امر کا اعتراف کرتے ہوئے بارہا بھری مجالس میں یہ کہا اور خطوط میں مجھے لکھا کہ مَیں نے بہت سی باتیں تم سے سیکھی ہیں والحمد للہ علی ذالک۔

تھا اور اب بھی غالباً استقلالِ مزاج کی افراط کی وجہ سے اُن کا یہی عقیدہ ہے کہ سیاسی اصلاح کے بغیر کوئی معاشرتی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اِنہی اختلافات کی بنا پر اور اِسی وجہ سے کہ مجھے کوئی رفیقِ کار نہیں ملتا تھا مَیں اپنی اُس تجویز کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ بلکہ مایوسی کا یہ عالم تھا کہ وہ چھپی چھپائی کتاب مَیں نے شائع بھی نہ کی جو اَب تک میرے پاس اُسی طرح صندوقوں میں بند پڑی ہے۔ کوئی صاحب اگر مطالعہ کرنا چاہیں تو فوراً بھیجدوں گا۔ *

جمعیتِ اتحاد و ترقی کا قیام اور تعطل،

بایں ہمہ چونکہ مَیں مسلمانوں میں اندرونی اصلاح کے بغیر کسی سیاسی اصلاح کی کامیابی کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا تھا اور وہ اندرونی اصلاح بھی خالصتاً مذہبی بُنیاد پر تو مَیں نے ۱۹۲۹ء میں مسٹر پیر بخش خان ایم، ایل، سی، مسٹر یوسفی اور دیگر احباب کی امداد سے پھر ایک اصلاحی جماعت

* کتاب کا نام **تذکرۂ ضیاء** ہے، قیمت ۸ر فی جلد، محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ یہ خیال ہے کہ چونکہ مجھے یہاں پر یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مَیں متلون مزاج نہیں ہوں بلکہ پورا پورا استقلال مجھ میں بفضلہٖ تعالٰی موجود ہے، چنانچہ میری ۱۹۲۹ء کی رائے میں اور اِس وقت کے خیال میں، بلکہ ابتدائی مذہب میں جو ایک قولی مذہب تھا اور اِسوقت کے مذہب میں جسے عُرفِ عام میں احمدیّت کہتے ہیں اور جو عملی مذہب ہے، کوئی فرق نہیں۔ فرق اگر ہے تو اِسقدر کہ جو چیزیں اُسوقت زبان پر تھیں وہ اب عمل میں بھی آگئی ہیں اور یہ تلونِ مزاج کی نہیں بلکہ عینِ استقلال اور صحتِ خیال کی دلیل ہے۔ ہذا ثبوت میں میری ۱۹۲۹ء کی تصنیف تذکرۂ ضیاء حاضر ہے۔ خریدیں، مطالعہ فرمادیں اور اطمینان حاصل کریں۔ خدا بہتر جانتا ہے، شاید میری یہ تصنیف اُسوقت اِسی لئے شائع نہیں ہو سکی کہ خدا کو میرا سچا مذہب یعنی وہ اسلام جو زمانۂ حاضرہ میں احمدیّت کے نام سے معروف ہے قبول کرنا منظور تھا، اِسی لئے اُس نے میری پہلی تصنیف کی اشاعت کو اُسوقت پر موقوف کر دیا جبکہ مَیں وہ سچا اسلام یعنی احمدیّت کھُلے طور پر قبول کر لوں۔ چنانچہ اب جبکہ مَیں نے احمدیّت کو قبول کر لیا ہے، شاید میری سابقہ مساعی کو بھی جو میرے نزدیک در اصل **حبطِ اعمال** کے حملہ سے بچالی گئی ہیں، وہ منصۂ شہود پر لے آئے اور مجھ سے اپنے سچے دینِ اسلام کی حسبِ توفیق (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

قائم کی جس کا نام **جمعیتِ اتحّاد و ترقی** تھا۔ یہ خیال رہے کہ اُس وقت بھی میری یہی آرزو تھی کہ مسلمانوں کی اندرونی اصلاح اگر تعلیمِ اسلامی کے مطابق ہوسکے تو فوراً اُس کے لئے کام کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اُسی جذبۂ عمل نے کام کرنے والے اصحاب کی جماعت قائم کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ایک غیر سیاسی اور خالص اصلاحی جماعت تھی اور صرف میرا ہی نہیں بلکہ میرے بہت سے رفقائے کار کا پبلک سٹیج پر آنے کا وہی پہلا موقع تھا، ازانجملہ مسٹر پیر بخش خان، ایم اے ایل ایل بی بھی ہیں جو اُس سے تھوڑا عرصہ پیشتر علیگڈھ سے تحصیل و تکمیل کے بعد پشاور پہنچے تھے۔ اِس جماعت کے قیام سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) خدمت لے، فہو المراد۔ میری مختصر سی زندگی میں دراصل ایسے تین چار واقعات گذر چکے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم کو غالباً یہی منظور تھا کہ وہ میرے اعمال کو ضائع جانے نہ دے بلکہ اُن سے دینِ اسلام کو ٹھوس فائدہ پہنچائے۔ چنانچہ سب سے **پہلا واقعہ** تو بچپن کی ایک تصنیف کے مسودہ کا تلف ہونا ہے پھر **دوسرا واقعہ تذکرۂ ضیاء** کا اشاعت پذیر نہ ہونا ہے **تیسرا واقعہ** یہ ہے کہ اُسکے بعد اوائل ۱۹۳۰ء میں مذہبی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی بُری حالت دیکھ کر میں نے ایک رسالہ **الصّلوٰۃ** کے نام سے لکھا جس میں مسلمانوں کو نماز پر کاربند کرنے کیلئے ایک **پروگرام** مرتب کر کے پیش کیا تھا۔ اُسکا مسودہ مسٹر یوسفی، جناب مکرم شاہ محمد غوث صاحب گیلانی سجادہ نشین پشاور، ڈاکٹر گیلانی اور دیگر بعض احباب کو پڑھ کر سنایا تھا مگر وہ بھی ۲۳ ر اپریل ۱۹۳۰ء کے حادثۂ پشاور کے بعد کہیں گُم ہوگیا اور اِس طرح اشاعت سے رہ گیا۔ اگرچہ میں نے اُسے دوبارہ لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر وہ مسودہ پھر آج تک مکمل نہ ہوسکا۔ اُس میں ٹھوس بنیادوں پر مذہبی نقطۂ نظر سے ایک اصلاحی تحریک کی تجویز تھی جو اگر مسلمانوں میں شروع ہوجاتی تو شاید بہت فائدہ ہوتا، مگر غالباً کسی غیر احمدی کے ہاتھ سے خدا تعالیٰ مسلمانوں میں پُر مغز اصلاح نہیں کروانا چاہتا اِس لئے میری وہ تیسری کوشش بھی میرے احمدی ہوجانے کے وقت پر موقوف ہوگئی۔ اب خدا نے چاہا تو بحیثیتِ احمدی وہ تجویز بھی اپنے امامِ وقت خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حضور میں پیش کروں گا تاکہ اُسکے ذریعہ مسلمانوں میں کوئی ٹھوس اصلاح کی جاسکے۔ اگر امیر المومنین نے اجازت دی تو کتاب **الصّلوٰۃ** (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ میں)

چند روز بعد پشاور میں مجلسِ بلدیہ کے پہلے انتخابات شروع ہوگئے جس میں انہماک کی وجہ سے یہ جماعت عملی طور پر معطل ہوگئی۔

> مجلسِ خلافت میں شرکت کی وجہ، عالمِ اسلام کی مرکزی حکومت کے قیام کا جذبہ۔

انتخاباتِ بلدیہ کی مہم ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ ۲۳ ر اپریل ۱۹۳۰ء کو پشاور میں حادثۂ عظیم وقوع پذیر ہوا، جس کے بعد مسٹر یوسفی، مسٹر پیر بخش خان وغیرہ احباب تو اپنی بعض تقاریر کی بنا پر جیل بھیج دیئے گئے اور میں پھر کچھ عرصہ کے لئے کسی رفیقِ کار کے بغیر یکہ و تنہا رہ گیا۔ تاہم چونکہ خدمتِ اسلام کا جذبہ دل میں تھا، اِس لئے احباب کی دعوت پر مجلسِ خلافت پشاور کی رُکنیت منظور کر لی اور مسلمانوں میں خالص مذہبی اصلاح کے ذریعہ سیاسی اصلاح کے مدارج طے کر کے عالمِ اسلام کی ایک مرکزی حکومت یعنی خلافتِ اسلامی قائم کرنے کے جذبات کے ماتحت مجلسِ خلافت میں کام کرتا رہا۔ مگر مجھے وہاں پر بھی صحیح معنوں میں کوئی رفیقِ کار نہ ملا، *

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی مکمل کر کے شائع کروں گا۔ اِسکے بعد **چوتھا** واقعہ میری تصنیف **تبصرہ** کا ہے جو گذشتہ چھ ماہ میں پوری پوری تحقیق کے بعد لکھی گئی۔ مسودہ میرے پاس تیار پڑا ہے۔ عنقریب شائع ہوجائیگا، انشاء اللہ العزیز۔ اِس کتاب یعنی تبصرہ کا مفصل حال آپکو اِس کتاب کے متن میں کسی دوسری جگہ بھی نظر آئیگا۔

* مجلسِ خلافت کے اغراض و مقاصد میں یہ شامل تھا کہ عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حکومت یعنی خلافتِ اسلامی کے قیام کے لئے کوشش کی جائے، چنانچہ یہی میرا بھی منتہائے نظر تھا جسکی وجہ سے میں مجلسِ خلافت میں شامل ہوگیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہُوا کہ مجلسِ خلافت کے کارکُن تو ابھی پہلی ہی منزل میں لڑکھڑا رہے ہیں بنیں، بلکہ وہ تو اُس طرف جانا ہی نہیں چاہتے۔ عالمِ اسلام کی سیاسیات سے تو اُنہیں دُور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ وہ تو ہندوستان کی سیاسیات میں اِسقدر منہمک ہیں اور اِس مُلک میں اپنا شخصی وقار قائم رکھنے کیلئے وہ اِسقدر کوشاں ہیں کہ اسلام اور عالمِ اسلام کا خیال تک بھی اُنکے دِل میں باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اِس عملی تجربہ کے بعد میرے لئے سوائے اِسکے اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ میں مجلسِ خلافت سے علیحدگی پر راضی ہوجاتا۔

بلکہ عقائد کے اختلافات نے ۱۹۳۲ء میں مجھے مجبور کر دیا کہ میں مجلسِ خلافت سے علیحدگی اختیار کر لوں۔

مسلمانانِ روسی ترکستان سے ہمدردی، انجمنِ سعادت بخارا و ترکستان کی صدارت اور اُس سے علیحدگی کی وجہ۔

نظر تو چونکہ ابتدا ہی سے تمام عالمِ اسلام پر تھی، اس لئے ۱۹۳۱ء میں مسلمانانِ روسی ترکستان کی امداد و اعانت کے جذبات کے ماتحت مرکزی انجمنِ سعادتِ بخارا و ترکستان پشاور کی رکنیت بھی منظور کر لی تھی۔ خیال تھا کہ شاید اس جماعت میں کوئی صحیح کام کرنے والا مسلمان مجھے مل جائے، جسکے ساتھ مل کر میں عالمِ اسلام کی قسمت بدل سکوں، مگر وہاں پر بھی کچھ نہ تھا۔ کچھ عرصہ انجمن کے صدر کی حیثیت سے مہاجرینِ بخارا و ترکستان کے امدادی معاملات میں، حسبِ توفیق، جانی، مالی اور قلمی خدمت کرتا رہا مگر آخرِ کار معلوم ہُوا کہ اس جماعت میں بھی دینِ اسلام کا کوئی سچا ہمدرد موجود نہیں اور اس پلیٹ فارم پر بھی میں کوئی ٹھوس کام نہیں کر سکتا جسکے ذریعہ عالمِ اسلام میں کسی پُر مغز اصلاح کے بعد خلافتِ اسلامی کا نظارہ ایک مرتبہ پھر آنکھوں کے سامنے آسکے۔

صوبۂ سرحد میں شریعتِ اسلامی کی ترویج کا خیال، جمعیت العلماء صوبۂ سرحد کی نظارت اور اُس سے علیحدگی کی وجہ۔

مجلسِ خلافت سے علیحدگی کے بعد پشاور کے بعض دَرد مند مسلمانوں نے میرے سامنے یہ تجویز رکھی کہ صوبۂ سرحد میں جہاں پر کہ ۹۵ فیصدی آبادی مسلمانوں کی ہے شریعتِ اسلامی کی ترویج کے لئے کوشش کی جائے۔ میرے لئے اس تجویز نے پھر ایک اشارہ کا کام کیا اور میں نے فوراً اس سے یہ سمجھ لیا کہ اگر شریعتِ اسلامی کی ترویج کے لئے متحدہ کوشش کی جائے اور اسلامی شریعت اس مُلک کا قانون بنجائے

تو مسلمانوں میں بہت جلد اصلاح ہو سکتی ہے۔ کسی قدر غور کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ راہِ عمل میرے منتہائے نظر کے لئے ایک شارٹ کٹ * کا حکم رکھتی ہے، اسلئے اس تجویز کو منظور کر کے اس میں بھی قسمت آزمائی کرنی چاہئیے، ممکن ہے اس طرح سے مسلمانوں کی اصلاح ہو جائے اور اگر اس چھوٹے سے صوبہ میں مسلمانوں کی اصلاح ہو گئی تو یہ تمام اسلامی آبادی ایک مستقل اور منظم جماعت بنجائیگی جسکے ذریعہ تمام عالمِ اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بعض احباب کی امداد سے ایک شریعت کمیٹی قائم کی گئی جس نے بعد میں جمعیت العلماء صوبۂ سرحد کی شریعت سب کمیٹی کی حیثیت اختیار کر لی۔ جمعیت العلماء ہی کے صدر اور سیکرٹری اس کے بھی صدر اور سیکرٹری تھے۔ چونکہ مجھے لوگوں نے سیکرٹری منتخب کیا تھا اس لئے میں شریعت کمیٹی اور جمعیت العلماء صوبہ سرحد ہر دو کے سیکرٹری کے طور پر کچھ عرصہ تک کام کرتا رہا۔ مگر سچ پوچھئے تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے نامنہاد ملتِ اسلامیہ کی ذلت اور مسکنت کا اٹل فیصلہ ہو چکا ہے اور بحکمِ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ۹۵:۲۱ ** یہ قوم بغیر امدادِ الٰہی اپنی اٹکلوں سے کبھی راہِ راست پر نہیں آسکتی۔ چنانچہ شریعت کمیٹی اور جمعیت العلماء صوبۂ سرحد سے بھی مجھے اس بنا پر علٰحدہ ہونا پڑا کہ وہاں پر بھی صرف بے عمل ہی نہیں بلکہ انتہائی درجہ کے **بد اعمال مولویوں** کی گپ شپ کے سوا ٹھوس عمل کا نام و نشان تک نہ تھا۔

پشاور سے ایک روزانہ اخبار جاری کر کے اُسے بند کر دینے کی وجہ۔

یہاں پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان جمہوری مجالس میں کچھ عرصہ عملی طور پر کام کرنے کے بعد جمہوری نظام کی

** اور اس آبادی کے لئے جسے ہم ہلاک کریں یہ ضروری ہے کہ وہ رجوع نہ کرے۔ * ادنیٰ سبیل۔

بُرائیاں بھی مجھ پر ظاہر ہوگئی تھیں اور بقولِ علاّمہ اقبال مجھے اِس دیوِ استبداد کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی تھی۔ مَیں جمہوریّت کے ڈھونگ کا عملی تجربہ کرکے دِل سے بیزار ہوچکا تھا اور اب اِس فکر میں تھا کہ پُوری پُوری علمی تحقیق کے بعد اِس کا پول بھی کھول کر دُنیا کے سامنے رکھ دُوں۔ چنانچہ اِسی غرض سے ۱۹۳۱ء میں ایک ہفتہ وار اخبار* بھی پشاور سے اپنی ریاستِ تحریر میں جاری کیا تھا۔ مگر اُسکے چند نمبر ہی شائع کرسکا تھا کہ بعض احباب کی درخواست پر اخبارِ سرحد کا نظام مَینے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسٹر یوسفی جو پہلے اُس اخبار کے مالک تھے اب بطورِ نائبِ مدیر کام کرنے لگے۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار تھا مگر اب مَینے اُسے روزانہ کر دیا، جسکی وجہ سے کام بہت زیادہ ہوگیا۔ مَیں اپنی دیگر مصروفیات کے باعث دفتری کام میں مسٹر یوسفی کو زیادہ امداد دے نہ سکا اور تمام محنت ایک شخص کے سَر ہونے کی وجہ سے بہت عرصہ تک اخبار چل نہ سکا۔ اگرچہ مسٹر یوسفی کی خدمات قابلِ قدر ہیں مگر صوبہ کے خاص حالات اور مالی مشکلات نے آخر الامر مجھے مجبور کردیا کہ مَیں اُس اخبار کو بند کردُوں۔

> جمعیت العلماء صوبہ سرحد سے علیحدگی کے بعد کچھ عرصہ خاموشی تحریکِ خاکساران کی ابتدا اور تبصرہ کی تصنیف

مولوی صاحبان، شریعت کمیٹی اور جمعیت العلماء سے مایوسی کے بعد مَینے کچھ عرصہ قطعی طور پر خاموشی اختیار کرلی، جسکے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ آخرکار مَیں ہار کر بیٹھ گیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ اب یہ قوم کسی حالت میں نہیں سدھر سکتی۔ چنانچہ اِنکی اصلاح کی آرزو ایک خیالِ خام ہے اور خلافتِ اسلامی کے ازسرِ نو قیام کی تمنّا شیخ چلی

* اخبار کا نام **صداقت** تھا۔

کے پلاؤ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

میری اُس تگ و دو کے مختصر زمانہ میں اور میرے اِس آخری فیصلہ سے کچھ پہلے علاّمہ عنایت اللہ خان المشرقی صاحبِ تذکرہ نے ایک کتاب **اشارات** شائع کی تھی جس میں مسلمانوں کی موجودہ حالت سے بحث کے بعد علاّمہ موصوف نے **تحریکِ خاکساران** کا پروگرام پیش کیا تھا۔ مَیں چونکہ آپکے دیرینہ نیازمندوں میں سے تھا اِس لئے اشارات کی ایک جلد سب سے پہلے مجھے ملی۔ مَینے اُسے پڑھنے کے بعد اِس مایوسی کے عالم میں ایک تریاق سمجھ لیا اور اُس پر خوب غور و خوض کے بعد ایک تبصرہ لکھنا شروع کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اخبار سرحد میرے ہاتھ میں تھا چنانچہ اُس تبصرہ کے بعض اقتباسات مَینے اپنے روزانہ اخبار یعنی سرحد میں بھی شائع کردیئے تھے۔ تبصرہ ابھی مکمل ہونے بھی نہ پایا تھا کہ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں علاّمہ عنایت اللہ خان صاحب المشرقی پشاور تشریف لے آئے اور میرے پاس قیام فرمایا۔ اِس دفعہ آپ نے تحریکِ خاکساران کو پشاور میں بھی شروع کردیا۔ مَیں چونکہ مسلمانوں کی اصلاح کا جذبہ رکھتا تھا اور ہر اصلاحی تحریک کو خوش آمدید کہنے میں مجھے کوئی عذر نہ تھا، علاوہ ازیں یہ کہ جمہوری نظام سے بھی بیزار ہوچکا تھا، اسلامی جماعتوں کو بھی عملاً بیکار دیکھ چکا اور مسلمانوں کی اصلاح کے مسئلہ سے قطعاً مایوس ہوکر یا بہ الفاظِ صحیح ہار تھک کر بیٹھ گیا تھا، نیز یہ کہ علاّمہ صاحب کی تصنیف اشارات کے مطالعہ کے بعد اُنکے دکھائے ہوئے راہِ عمل یعنی تحریکِ خاکساران کو مسلمانوں کا ایک آخری علاج بھی یقین کرچکا تھا اور اشارات پر ایک تبصرہ بھی لکھ رہا تھا، اِس لئے مَینے علاّمہ صاحب کی دعوت کو منظور کرلیا اور

تحریکِ خاکساران میں شریک ہوگیا۔ اُنھوں نے مجھے صوبۂ سرحد کی تمام خاکسار جماعتوں کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا اور مَیں قریباً چھ ماہ تک کام کرتا رہا۔

مصلحِ قوم کا معیارِ قابلیت، مسلمانوں کی اصلاح کے متعلق آخری فیصلہ جو ایک صبر آزما عملی تجربہ کے بعد دیا گیا ہے۔

عملی طور پر جب مجھے خاکسار سپاہیوں کی بھرتی کے سلسلہ میں ملّتِ اسلامیہ کے اکثر افراد کے متعلق تجربہ حاصل ہُوا تو مَیں یہ سمجھ گیا کہ درحقیقت قوموں کی اِصلاح وہ شخص نہیں کرسکتا جس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی رُوحانی تعلق نہ ہو۔ جسکی رُوح کو خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے خاص اپنے ہی یدِ قدرت کے ساتھ تمام آلودگیوں سے پاک وصاف نہ کیا ہو، جسکے دل کو خداتعؐ کے فرشتوں نے ایمان ویقین کے نور سے بھر نہ دیا ہو، جسکی پُشت پر غیبی امداد موجود نہ ہو، جسکے ہاتھ میں آسمانی سند نہ ہو، جسکے ساتھ کُھلے کُھلے نشانات نہ ہوں اور جسکی زندگی قوم کے لئے نہیں بلکہ خدائے عزّ وجلّ کی غلامی کے لئے وقف نہ ہو چکی ہو۔

بھائیو! یہ وہ نتیجہ ہے جو بہت روپیہ اور بہت وقت صرف کرکے، بڑی بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی بڑی تکالیف برداشت کرکے، ایک وسیع مطالعہ اور صبر آزما تجربہ کے بعد اخذ کیا گیا ہے۔ اِسے آپ یونہی اناپ شناپ تصور نہ کریں۔ یہ پرکھا ہُوا سونا اور ٹھونکا بجایا ہُوا طلائی زیور ہے۔ اِسے اپنے گلے کا ہار بنا لیجئے اور اِس تجربہ سے فائدہ اُٹھائیے۔

کانگریس اور اِسی قسم کی دیگر قومی مجالس میں شرکت نہ کرنیکی وجہ، میں قوم پرست نہیں خدا پرست ہوں، میرے خدا کی تعریف، تمام قومی تحریکات ناکامیاب

کوئی صاحب ممکن ہے یہ کہیں کہ تم نے کسی ایسی تحریک میں تجربہ کے طور پر تو کام کیا ہی نہیں جو خالص قومی تحریک ہو، وطنی تحریک ہو، ملکی تحریک ہو اور ایسی تحریک ہو جسکی غرض وغایت اصلاح

اور غیر مفید ثابت ہو چکی ہیں کیونکہ اُنکی بُنیاد خدا پرستی پر نہ تھی بلکہ قوم پرستی پر تھی۔

قوم ہو۔ تمہارے مندرجہ فوق بیان سے تو صرف اِسقدر معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بعض خود ساختہ حرکتوں میں حصّہ لیا اور وہ بھی بہت کم مدّت۔ اگر اصلاحِ قوم ہی کا جذبہ تھا تو کانگریس میں کیوں شریک نہ ہوئے اور نوجوان بھارت سبھا کے ممبر کیوں نہ بنے؟ سو، جنابِ من! میری مؤدبانہ گذارش ہے کہ مَیں خداتعؐ پرست تھا اور اب تو بفضلہٖ تعالیٰ آزمودہ اور پرکھا ہُوا خداتعؐ پرست ہوں۔ مَیں قوم پرست یا وطن پرست نہیں ہوں۔ مجھے کانگریس پر کبھی اعتماد نہ تھا اور نہ ہے۔ مجھے نوجوان بھارت سبھا سے کوئی ہمدردی نہیں۔ مَیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خداتعؐ کا پجاری ہوں۔ مسٹر گاندھی کے اُس خیالی خدا پر مجھے کوئی اعتماد نہیں جو مادّہ اور رُوح کا محتاج ہے۔ مَیں تو اُس خداتعؐ کا بندہ ہوں جسؐ نے مادّہ کو بھی اور رُوح کو بھی لفظِ کُنْ سے بنایا۔ اور زمین کو بھی اور آسمانوں کو بھی ایک اشارہ سے پیدا کر دیا۔ میرا خداتعؐ تو وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اُسؐ کے محتاج ہیں۔ میرا خداتعؐ تو وہ ہے جو ہمیشہ سے زندہ اور واجب الوجود ہے، بے مثل ہے، خود مختار حاکم ہے، الرحمٰن ہے، الرحیم ہے، مالکِ یوم الدین ہے، ہادی ہے، کریم ہے، ہمارے خیال اور افکار لفظاً ومعناً اُسے ہرگز اپنی حدبندی میں نہیں لے سکتے، وہؐ الفاظ اور معانی، خیالات اور افکار کی حدود میں مقید نہیں کیا جاسکتا، اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا مگر وہؐ سب کو دیکھتا ہے، اُسے اپنی مرضی سے کوئی سُننے نہیں پاسکتا اور وہؐ اپنی مرضی سے سب کچھ سنتا ہے، وہؐ بولتا ہے مگر کسی زبان اور مُنہ اور ہونٹ اور حلق کے ذریعہ نہیں اور وہؐ تو ایسا ہے کہ دنیا کے تمام پانی سیاہی بنا دیئے جائیں،

دُنیا کے تمام پودے قلمیں ہو جائیں اور دُنیا کی خشکیاں بطورِ اوراق استعمال کیجائیں تو اُس کی صفت اُن میں سما نہ سکے۔ یہ ایک دفعہ نہیں بے شمار دفعہ بھی اگر ایسا کر دیا جائے تو اُسکی صفات کا تذکرہ تمام نہ ہو۔ اب ایسے خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں رُوح اور مادہ کے ہم زمان اور ہم عصر خدا کو مَیں کیا کروں ؟ اُسکے مہاتماؤں پر کیوں اعتماد کروں؟ ہاں، ایک بات مَیں کر سکتا ہوں اور وہ **میثاقِ اخوّت** ہے۔ اِس کے لئے خواہ مسٹر گاندھی ہو یا پنڈت مالویہ، لارڈ ولنگڈن ہو یا مسٹر میکڈونلڈ۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ جو کچھ ہوگا میرے **امیر** کے حکم سے ہوگا جو اُسی طرح ایک ہے جس طرح میرا خدا تعالیٰ ایک ہے، جس طرح میرا رسول (حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم) ایک ہے، جس طرح میری کتابِ قانون (قرآنِ مجید) ایک ہے، جس طرح میرا قبلہ (خانہ کعبہ) ایک ہے اور جس طرح میرا باپ ایک ہے اور میری ماں ایک ہے۔ مزید تشریح کے لئے میری تصنیف **تبصرہ** جو عنقریب شائع کر دی جائے گی مطالعہ فرمائیے۔ اُس میں پوری پوری تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ کانگریس کی **تحریکاتِ معصیت** اور اِسی نوعیت کی تمام وہ تحریکات جو اِس وقت ہندوستان میں جاری ہیں مُلک کے لئے کوئی **مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتیں**۔ یہ کتاب مَیں نے اب نہیں لکھی، بلکہ چھ ماہ پہلے لکھی تھی اور اُس وقت لکھی تھی کہ جب مَیں تمام سیاسی تحریکات کا بہ امعانِ نظر مطالعہ کرکے اِس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ یہ سب لغو اور بیہودہ کام ہیں۔ اِن سے کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ اگر مسلمانوں اور ہندوستانیوں کی نجات کی کوئی سبیل ہے تو وہ **اصلاحِ نفس** ہے۔ جب قوم کے اخلاق اچھے ہو گئے تو اُن پر کوئی غالب نہیں آسکے گا۔ مگر یہ کتاب اب تک شائع نہیں

کی جو اَب عنقریب شائع کر دی جائے گی۔ اُس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ کانگریس اور ہمچو قسم تحریکات نے آپکے مُلک کو جسکے آپ پرستار ہیں کیا کیا نقصان پُہنچایا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اُن تحریکات نے **ملک کے اخلاق کو بگاڑ دیا ہے** اور ملک نے اِس عرصہ میں وہ رُوحانی تنزّل کیا ہے جو الفاظ میں سما نہیں سکتا۔ بہر حال اُس کتاب میں کھول کر دکھا دیا ہے کہ مہاتما گاندھی جو اپنی لڑائی کو اخلاقی لڑائی کہتے ہیں دراصل اخلاقِ رذیلہ کا ایک بُت اپنے ہاتھ سے تراش رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اُس کتاب میں مہاتما جی کے فلسفۂ روحانیات اور اُنکی شخصی روحانی استعداد کو بھی خوب بے نقاب کیا ہے۔ اُس تحریر سے کسی کی دِل آزاری ہرگز مطلوب نہیں ہے بلکہ محض اظہارِ حقیقت کا فرض ادا کیا ہے۔ تو اے میرے عزیزو! اب آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مَیں کیوں کانگریس اور نوجوان بھارت سبھا میں شریک نہیں ہُوا۔ اور اگر اِس بیان سے آپ اچھی طرح نہیں سمجھے تو میری تصنیف **تبصرہ** کا انتظار کیجئے اُس کے مطالعہ کے بعد آپ سے دریافت کیا جائے گا کہ اب فرمائیے جناب!

اسلام کے غیر احمدی فرقوں کی موجودہ حالت کا نقشہ، احمدیوں کے اعمال و افعال کی کیفیت، احمدیت قبول کرنیکی وجہ، میرے سابقہ اور حال کے عقائد میں بفضلہٖ تعالےٰ کوئی فرق نہیں، مَیں نے اپنا منتہائے نظر کبھی نہیں بدلا۔

گذشتہ اوراق میں مَیں نے اپنی مختصر سی علمی زندگی کا نہایت ہی مختصر خاکہ آپکے سامنے پیش کر دیا ہے تاکہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ مَیں اَب **احمدی** کیوں بن گیا ہوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مَیں نے کس طرح مختلف ذرائع اختیار کئے اور وہ تمام مختلف ذرائع کیوں اختیار کئے؟ محض خدمتِ اسلام کیلئے، اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی غرض سے اور

مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو مرکزِ وحید پر جمع کرنے کے واسطے خلافت اسلامی قائم کرنے کی تمنا اور مسلمانوں کو غلبہ اور حکومت دلانے کی آرزو ہر وقت میرے دل میں تھی اور اب بھی یہی لگن ہے، یہی فکر ہے، یہی خیال ہے، یہی آرزو ہے، یہی تمنا ہے اور یہی میری حرزِ جان ہے۔ میرے ۱۹۲۹ء کے خیالات جو تذکرۂ ضیاء میں درج ہیں آپ کو مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہی تھے اور اب ۱۹۳۳ء کے افکار اِس بیان سے آپ سمجھ گئے ہونگے کہ یہی ہیں۔

تذکرۂ ضیاء میں جو تجویز پیش کی تھی وہ اِسی لئے تھی، جمعیّتِ اتّحاد و ترقی کی بنیاد رکھی تو اِسی لئے، مجلسِ خلافت میں شرکت کی تو اِسی لئے، مرکزی انجمنِ سعادتِ بخارا و ترکستان کی صدارت منظور کی تو اِسی لئے، کانگریس میں شریک نہ ہُوا تو اِسی لئے، نوجوان بھارت سبھا کا رُکن نہ بنا تو اِسی لئے، شریعت کمیٹی کی نظارت منظور کی تو اِسی لئے، جمعیّت العلماء صوبہ سرحد کا سیکرٹری بننا قبول کیا تو اِسی لئے اور اب احمدیّت کو قبول کیا ہے تو اِسی لئے کیونکہ مَیں نے اِس میں صحیح اسلام کو پایا۔ حنفیوں میں، شافعیوں میں، مالکیوں میں، حنبلیوں میں، اہلحدیث میں، اہلِ قرآن میں، شیعانِ علی میں گویا اسلام کے کسی غیر احمدی فرقہ میں قول اور عمل کا تطابق نہیں دیکھا، زندہ خدا تعالیٰ کا روشن اور واضح ثبوت نہیں دیکھا، اسلامی جمعیّت اور اخوّت نہیں دیکھی، ایک نظام سے وابستگی نہیں دیکھی، ایثار کا مادہ نہیں دیکھا، جہاد کے لئے صحیح معنوں میں تیاری نہیں دیکھی، اور سب سے اہم تر یہ کہ زندہ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں دیکھا، رسولِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم سے عشق اور محبت نہیں دیکھی، قرآن کی عزت اور وقعت نہیں دیکھی، حدیث سے اُلفت نہیں دیکھی، سنّتِ رسول

سے دلچسپی نہیں دیکھی، اسلامی روایات کو قائم رکھنے کا جذبہ نہیں دیکھا، خوفِ خدا تعالیٰ نہیں دیکھا، یومِ جزا و سزا کا ڈر نہیں دیکھا، حیاتِ جاودانی کے لئے سامان مہیا کرنے کی فکر نہیں دیکھی، الغرض اسلام کا نام و نشان نہیں دیکھا، اِسکے مقابلہ میں اگر دیکھا تو کیا دیکھا؟ خدا تعالیٰ سے کھُلا کھُلا شرک دیکھا، جمود اور بے عملی کا نظارہ دیکھا، محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے دشمنی دیکھی، قرآن سے تمسخر دیکھا، حدیث اور سنّتِ رسُول کی اہانت دیکھی، داڑھی سے مزاح دیکھا، مسجدوں کی بیحرمتی دیکھی، خانۂ خدا تعالیٰ میں عبادت کی بجائے جنگ و جدل دیکھا اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے عبادتخانوں میں زنا، اغلام اور طرح طرح کی بدمعاشیاں دیکھیں، یومِ جزا و سزا اور دوزخ و جنت کا کھُلا کھُلا انکار دیکھا، الغرض عینِ کفر اور شرک دیکھا۔

پس ایک ایسے شخص کے لئے جو اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر حاصل کرنے کی تمنا اور اُس کے لئے اپنے دل میں ایک تڑپ رکھتا ہو، جو مسلمانوں کو غلبہ اور حکومت دلانے کی آرزو رکھتا ہو، جو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جلال اور کمال کے سامنے دُنیا بھر کو جُھکا ہُوا دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو، جو اسلام کا جھنڈا مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں بلند کرنے کا متمنّی ہو، جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہو، جو غیر اللہ کے سامنے جُھکنا ایک مسلمان کی شان کے خلاف سمجھتا ہو اور پھر یہ کہ اُس نے اپنی اِن آرزوؤں کو پُورا کرنے کے لئے کوشش بھی کی ہو مگر اُسے کوئی رفیقِ کار نہ ملا ہو سوائے اِسکے اور کیا چارۂ کار اور کیا راہِ عمل ہو سکتی تھی کہ

جب کوئی اُسے رفیقِ کار تو کیا اسی راہ میں ایک ہادی اور رہنما مِل جائے تو وہ اُسکی قدر کرے، اُس رہبر کے ہاتھ میں ہاتھ دیدے اور مجاہدین کی اُس جماعت میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے مَینے ایسا ہی کیا۔ کوئی نئی بات نہیں کی جو میرے سابقہ اصول کے خلاف تھی۔ کوئی ایسا کام نہیں ہُوا جو مَیں آجسے کچھ عرصہ پہلے تو نہ کرتا یا نہ کرنا چاہتا مگر اب کرلیا ہے۔ بلکہ وہی کیا جو پہلے بھی کرتا تھا اور کرنا چاہتا تھا۔ میرا عقیدہ نہیں بدلا، میرے خیالات میں کوئی فرق نہیں پیدا ہُوا اور مَینے کوئی غیر متوقع چیز نہیں اختیار کرلی۔ بلکہ میرا عقیدہ اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہی ہے جو پہلے تھا، میرے خیالات اب بھی وہی ہیں جو پہلے تھے اور مَینے وہی راہِ عمل اختیار کی ہے جو مجھے منزلِ لیلیٰ کی طرف لے جارہی ہے۔ منزلِ مقصود پہلے بھی وہی تھی اور اب بھی وہی ہے، صرف طریقۂ کار میں فرق ہے۔ جسکی یہ وجہ ہے کہ پہلے مَیں دھوکہ میں تھا اور اِسی کے بباعث اُنکے ساتھ ہِلکر کام کرتا رہا جن کا منتہائے نظر بدقسمتی سے وہ نہ تھا جو میرا تھا مگر اب مجھے ایک ایسی جماعت مِل گئی ہے جس کا منتہائے نظر خوش قسمتی سے وہی ہے جو میرا ہے۔

مختلف جماعتوں میں شرکت کے واقعات کیلئے ایک تمثیل

اِسکی مثال بعینہٖ ایسی ہے کہ جس طرح مَیں گھر سے لاہور جانیکے ارادہ سے نکلا اور پشاور شہر ریلوے سٹیشن کا رُخ کیا، چنانچہ گھنٹہ گھر کے پاس ایک جماعت مِل گئی جو کہنے لگی کہ ہم بھی پشاور شہر اسٹیشن کو جارہے ہیں، مَیں اُنکے ساتھ ہِلکر کچہری دروازہ تک پُہنچا تو وہ جماعت بجائے ریلوے سٹیشن کیطرف جانے کے لیڈی ریڈنگ ہسپتال کیطرف چلنے لگی۔ مَینے

یہ دیکھ کر کہ اِن کا رُخ تو کوئی اور ہے اُس جماعت کو وہیں چھوڑ دیا اور سٹیشن والی سڑک پر ہولیا۔ تھوڑی دُور ایک ایسی جماعت مِلی جسکے تمام آدمی بیمار تھے لڑکھڑا لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔ کہنے لگے ہم بھی سٹی ریلوے سٹیشن کو جارہے ہیں۔ مگر مجھے اُن پر شبہ ہُوا کہ وہ بیمار نہیں بلکہ نشہ کی حالت میں ہیں، اِس لئے مَینے اُن کا ساتھ نہ دیا۔ اِتنے میں ایک اور جماعت مِلی جس میں چند آدمی تھے مگر لوگ شریف معلوم ہوتے تھے، چنانچہ اُس جماعت نے بھی یہی ظاہر کیا کہ ہم سٹی ریلوے اسٹیشن کو جارہے ہیں۔ مَینے کہا بہت خوب، چلو، اکٹھے چلتے ہیں۔ جب ہم تانگوں کے اڈے سے اُس طرف ہوئے تو وہ جماعت بھی پہلی جماعت کیطرح سٹیشن کی بجائے شاہی باغ کی طرف چلنے لگی۔ مَیں اُن سے بھی علیحدہ ہُوا مگر دل میں خطرہ تھا کہ پشاور شہر ریلوے سٹیشن کو جانے والی سڑک غیر محفوظ ہے۔ آجکل بہت سے مفرور اِن علاقوں میں پھر رہے ہیں۔ ابھی چند روز کی بات ہے کہ اِسی قرب و جوار میں مفروروں نے مسافروں پر حملہ کرکے اُنہیں لُوٹ لیا تھا۔ خدانخواستہ میرا بھی کہیں وہی حشر نہ ہو۔ خوف و ہراس کے عالم میں سڑک پر چل رہا تھا کہ سامنے ایک اور جماعت مِل گئی۔ اُن کے سر پر بڑے بڑے عمامے اور اُنکی شرعی داڑھیاں تھیں، نیز اُنکے ہاتھوں میں لمبی لمبی تسبیحیں بھی تھیں اور دائیں ہاتھوں میں ایک ایک شرعی عصا بھی تھا۔ مَیں اُنھیں دیکھ کر شکر بجالایا کہ یہ مولوی صاحبان خوب نیک لوگ ہیں، اِن کے ساتھ ہوکر چلینگے۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بھی کہا کہ ہم پشاور شہر ریلوے اسٹیشن کو جارہے ہیں۔ ابھی ہم تھوڑی دُور چلے ہی تھے کہ ہشتنگری دروازہ کے مقابل والا چوک سامنے دکھائی دیا۔ چند منٹ بعد ہم چوک میں پُہنچ گئے تو مولویوں

کی وہ جماعت ہشتنگری دروازہ کی طرف ہولی اور مَیں پھر تنہا رہ گیا۔ اِسی فکرو تردّد میں تھا کہ پیچھے سے ایک موٹر لاری نے ہارن دیا مُڑکر دیکھا تو چند مسلّح جوان ایک لاری میں جارہے تھے اور لاری کے بیرونی تختہ پر کچہری گیٹ ٹو پشاور سٹی ریلوے سٹیشن لکھا ہُوا تھا۔ مَیںنے اُس لاری کو غنیمت سمجھکر ہاتھ کے اشارہ سے ٹھیرایا اور اُس میں سوار ہوگیا۔ چند قدم ابھی ہم چلے ہی تھے کہ لاری کا پٹرول ختم ہوگیا اور وہ وہیں رُک گئی۔ مَیںنے کہا بھائی! آپ کس خواب میں ہیں؟ گاڑی کے چلنے کا وقت قریب ہے۔ گھر سے نکلتے وقت فکر نہ تھی کہ پٹرول ڈال لیا ہوتا؟ اب کیا ہوگا؟ یہ کہہ کر مَیں لاری سے اُتر گیا۔ ابھی سڑک پر قدم رکھا ہی تھا کہ اتنے میں سرکاری ڈاک کی لاری پُہنچ گئی۔ اُسکے بیرونی تختہ پر سرکاری نشان موجود تھے، لاری کا رنگ بھی وہی تھا جو ڈاک کی لاریوں کا ہُوا کرتا ہے۔ مَیںنے اُس لاری کو اشارہ سے ٹھیرایا اور اُس میں سوار ہوکر سٹیشن کی راہ لی۔ اب سٹیشن پر بحفاظت پُہنچنے کا یقین ہے اور مَیں مطمئن ہوں کہ لاری سرکاری ہے، اُس پر تمام سرکاری نشانات موجود ہیں، اُس میں ڈاک کے تھیلے بھرے پڑے سامنے نظر آرہے ہیں، وہ مجھے جلد سے جلد سٹیشن پر پُہنچادیگی جہاں ٹرین پُہنچی ہوگی اور مَیں اپنی منزلِ مقصود پر اطمینان سے پُہنچ جاؤں گا۔

مَیں پیدائشی احمدی ہوں اور اِسپر اپنے ربّ کا شکرگذار ہوں۔

اوراقِ ماقبل کے مطالعہ سے آپ سمجھ گئے ہونگے کہ مَیںنے عدمِ استقلالِ مزاج کی وجہ سے وقتاً فوقتاً مختلف مجالس میں شرکت نہیں کی تھی، اِسی طرح تحریکِ خاکساران میں شامل ہوکر پھر اُسے یک لخت اِس وجہ سے نہیں چھوڑ دیا ہے، اور نہ ہی اَب عدمِ ثبات کے

بباعث جماعتِ احمدیہ میں شامل ہُوا ہوں، بلکہ اپنی گذشتہ مختصر سی عملی زندگی میں ایک منٹ اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی کبھی مَیںنے اپنے منتہائے نظر کو نہیں بدلا اور نہ اب بدلا ہے۔ میرا وہی مطمحِ نظر تھا جو احمدیّت میں پیش کیا گیا ہے۔ مَیں اُسی چیز کا متمنّی تھا جس کا احمدیّت نے ہر احمدی کو متمنّی بنا دیا ہے اور وہ اسلام کا غلبہ اور آسمانی بادشاہت کا قیام ہے۔ اغراض و مقاصد کے لحاظ سے گویا مَیں پیدائشی احمدی ہوں اور اِس پر مَیں اپنے ربّ کا شکرگذار ہوں۔

احمدؐ نبی اللہ پر مولویوں کے اِفترا کا ردّ

(۳)

مسیح موعودؑ کا انتظار، حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی تشریح۔

ممکن ہے کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ تم نے تو اپنی احمدیّت کا اعلان کر دیا اور اِس پر فخر بھی کرتے ہو مگر ہمارے نزدیک تو یہ ایک بدعت اور کفر ہے۔ اِس میں تو مرزا غلام احمد علیہ السلام کو نبی ماننا پڑتا ہے، درحالیکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ سو جنابِ من! آپ گھبرائیے مت، میں اِس باب میں وضاحت کے ساتھ عرض کروں گا کہ اِس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے۔ علاوہ ازیں، احمدیت کے متعلق اور جو شبہات آپکے دِل میں ہیں اُنکی ماہیت بھی کھول کر بیان کر دوں گا۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم۔

درحقیقت حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے متعلق لوگوں کو اُنکے بداعمال مولویوں اور شکم پرور ولیوں اور سجّادہ نشینوں نے اُسی طرح دھوکہ میں رکھا ہُوا ہے جس طرح یہودی مولویوں، فقیہوں، مفسّروں، محدّثوں، راہبوں اور فریسیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی بعثت کے وقت اپنی قوم کو دھوکہ میں

رکھ کر اُس نور سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا تھا۔

بغض و حسد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اگر کوئی مولوی یا سجادہ نشین دیانتداری کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ پر غور کرے گا تو وہ سوائے تسلیم و رضا کے اور کوئی چارہ نہ پائے گا۔ کیونکہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ ہرگز کوئی ایسا دعویٰ نہ تھا جو شریعتِ اسلامی میں کوئی رخنہ پیدا کرتا ہو۔ آپؑ کا دعویٰ ہرگز یہ نہ تھا کہ مَیں کوئی ایسا نبیؐ ہوں جو حضرتِ ختم الرسل محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور ذریعہ کے بغیر اِسلئے مبعوث کیا گیا ہو کہ اپنا نیا دین لوگوں میں پھیلائے، کوئی نئی شریعت دُنیا کے سامنے پیش کرے یا کوئی نئی اُمّت بنائے اور کوئی ایسی چیز لوگوں کو بتائے جو حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو نہ بتائی ہو۔ بلکہ آپؑ کا دعویٰ یہ تھا کہ مَیں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّتی اور غلام ہوں، اُنہی کے فیض، اُنہی کی پوری پوری پیروی اور اُنہی کی ذاتِ ستودہ صفات میں فنا ہو کر مجھے یہ رتبہ ملا کہ اُنہی کی پیشگوئی کے مطابق جس کا آج کوئی مسلمان اِنکار نہیں کر سکتا، خداوندِ عزّوجلّ نے مجھے اُمّتِ محمّدیہ کے لئے مہدیؑ اور مسیحؑ بنایا * اور مَیں وُہی

* جبکہ لوگ ہندوستان کے ایک طبیب کو مہارت و قابلیت کی وجہ سے **مسیح الملک** کا خطاب دے سکتے ہیں تو اُمتِ محمّدیہ کے لئے خدا کے بنائے ہوئے مسیحؑ اور مہدیؑ کو کیوں نہیں مانتے؟ اِسکی وجہ تو صاف طور پر یہی سمجھی جا سکتی ہے کہ بُت پرستی یا اصطلاحی الفاظ میں **شرکِ خفی** نے اِس درجہ مسلمانوں کے قلوب میں گھر کر لیا ہے کہ اپنی طرف سے دیئے ہوئے تو ہر بڑے سے بڑے خطاب کو بھی مذموم نہیں سمجھتے مگر خدا کی طرف سے جسے "مسیح" کا خطاب ملا ہو اُسے تسلیم نہیں کرتے اور بخلاف اِسکے اُس برگزیدہ ہستی کی تکذیب و تکفیر کرتے ہیں۔

مھدؑی اور مسیحؑ ہوں جس کے تم انتظار میں ہو. چونکہ تم میں سے اکثر اپنی بے عملی اور جمود کی پردہ پوشی کے لئے اِس عقیدہ پر پختگی سے * قائم ہو گئے تھے کہ بس اب حضرت عیسیٰ ناصری علیہ السّلام آسمان سے نازل ہو کر اور حضرت مھدی علیہ السلام کہیں سے پیدا ہو کر اسلام کو نئی زندگی بخشیں گے اور کفّار کے خلاف جنگ کر کے اُنہیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینگے، لہذا ہمیں اُنؑ کی آمد کا منتظر رہنا چاہیئے تم محض اپنی آسائش کے لئے نہایت وثوق کے ساتھ ** یہ بیان کرتے تھے کہ حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم یہی پیشگوئی فرما گئے ہیں کہ آخری زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی حالت بدرجۂ غایت خراب ہو جائے گی تو مسیحؑ ناصری اور مھدیؑ آکر اُنہیں ہدایت دینگے اور نجات دلائینگے. تمہاری بدکرداری کا یہ عالم تھا کہ ایک بُرے کام کو بُرا جانکر بھی تم اِس خیال سے کئے جاتے تھے کہ زمانہ آخیر ہے عیسیٰؑ آئے گا تو اِس بُرے کام سے ہمیں چھُڑائے گا. تم خود کچھ بھی نہیں کرنا

* مجھے یقین ہے کہ اگر اپنی بے عملی اور جمود کی پردہ پوشی مقصود نہ ہوتی تو جہاں اور شعائرِ اسلامی کو پامال کرتے ہوئے مسلمانوں کا دل نہیں دُکھتا وہاں نزولِ عیسیٰؑ کے عقیدہ کو بھی اُنہوں نے چھوڑ دیا ہوتا، مگر اِس عقیدہ پر دیگر تمام عقائد کی نسبت زیادہ پختگی سے قائم ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ درحقیقت اِس کے پسِ پردہ ایک راز ہے.

** تعجب ہے کہ خداؑ کی ہستی کا تو انکار ہے، جیسا کہ اِس سے قبل دلائل بیّنہ سے ثابت کیا گیا ہے، اور قیامت کے یوم موعود کی تو ذرہ بھر پرواہ نہیں کیجاتی اگر مسیح موعودؑ کے نزول کے عقیدہ پر زور دیا جاتا ہے اور نہایت وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ وہؑ ضرور آسمان سے اُترے گا. آخر قیامت کا دِن بھی تو موعود ہے، اُسکے خوف سے دِل کیوں نہیں لرزتے؟ اور مسیح موعودؑ کا انتظار کیوں وثوق کے ساتھ کیا جاتا ہے؟ اگر اِسکی وجہ اپنے آرام کی خواہش نہیں تو اور کیا ہے؟

چاہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم اگر کچھ کرنا بھی چاہیں تو بے سود ہے کیونکہ ہماری اصلاح اگر ہوگی تو عیسیٰؑ اور مھدیؑ کے ہاتھ سے ہوگی جو اِس کام کے لئے مقرر کئے گئے ہیں، ہمارے ہاتھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا. تم صحیح طور پر ایک مسیحؑ اور مھدیؑ کے منتظر تھے، مگر وہ مسیح نبی اللہ جسکے متعلق تم غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ عیسیٰ ناصری علیہ السّلام ہے جو اِس وقت تک زندہ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے اور آخری زمانہ میں آسمان سے اُتر کر اُمّتِ محمدیّہ کی اصلاح کرے گا، دراصل عیسیٰ ناصری علیہ السّلام نہیں ہے بلکہ وہ مسیحؑ مَیں ہوں. مجھے خدا تعالےٰ نے اپنے نشانات کے ساتھ بھیجا اور اپنی پاک وحی کے ذریعہ مجھ پر ظاہر کیا کہ عیسیٰ ناصری علیہ السّلام جو ایک مستقل نبی تھے درحقیقت فوت ہو چکے ہیں اور آنے والے نبی اللہ کو مناسبتِ صفات کی وجہ سے مسیحؑ کہا گیا ہے کیونکہ اُسؑ کا بھی وُہی کام ہے جو مسیح ناصری علیہ السّلام کا تھا یعنی اُمّتِ محمدیّہ کے رُوحانی مریضوں کے لئے خدا تعالےٰ سے شفا حاصل کرنا اور ملّتِ اسلامیہ کے مردہ جسم کے لئے اللہ تعالےٰ سے رُوح پاکر اُسے حیات بخشنا.

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہرگز کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جو آپ کے اُن عقائد کے خلاف ہو جنپر آپ اِسقدر مُصر ہیں. آپ کو ایک مھدیؑ اور ایک مسیحؑ کا وعدہ دیا گیا تھا جو مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ سے اِس درجہ مشرف کیا جاتا تھا کہ وہ درجہ کسی نبیؑ اور کسی رسولؑ ہی کا ہو سکتا تھا. چنانچہ وہ مھدیؑ اور وہ مسیحؑ آیا جو کثرتِ مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ سے مشرف ہوا اور اِسی راہ سے وہؑ نبی اللہ اور رسول اللہ کہلایا.

مہدیٔ معہود کا انتظار، عالمِ اسلام کی موجودہ حالت کا نقشہ۔

اِس سے قطع نظر کہ مرزا غلام احمد علیہ السلام ہی وہ مہدیٔ اور مسیح ہیں جن کا وعدہ دیا گیا تھا، میں آپ سے **انصاف** کا متدعی ہوں۔ آپ عالمِ اسلام کا موجود **نقشہ** اپنے سامنے رکھیں اور اُن تمام مختلف قوموں کے حالات پر جو اِس وقت دائرۂ اِسلام میں داخل ہیں نظر کریں۔ پھر مجھے یہ بتائیں کہ اگر آج مہدی علیہ السلام آپ کے عقیدہ کے مطابق آپ جیسے ننگِ اسلام مسلمانوں میں اُسی طرح آجائیں جس طرح آپ سمجھ رہے ہیں تو کون قوم آپ میں سے اُن کی دعوتِ جہاد کو قبول کرے گی اور اُن کے ساتھ ملکر جنگ کریگی؟ کیا روسی ترکستان کے مسلمان مہدی علیہ السلام کے ساتھ مِلکر لڑینگے؟ میرا دعویٰ ہے کہ لڑائی تو لڑائی ہے جس میں خدا تعالیٰ کے راستہ میں جانِ عزیز قربان کرنی پڑتی ہے وہ مُسلمان سوکھی ہوئی روٹی کا ٹکڑا، پانی کا ایک گھونٹ اور پھٹا پُرانا جوتا بھی خدا تعالیٰ کے نام پر دینے کو تیار نہیں ہیں۔ کیا افغانستان کے مسلمان اپنی جانیں خدا کے راستے میں اس لئے لڑا ئینگے کہ اسلام کا بول بالا ہو؟ افغانستان کے موجودہ مسلمان خود ہی اِس بات کا ثبوت دیں کہ اُنکے دل میں کس قدر اسلام کا دَرد موجود ہے؟ اُنہوں نے اپنی تمام گذشتہ تاریخ میں کونسی اِسلام کی نمایاں خدمت انجام دی ہے؟ اُن میں اِس وقت کِس درجہ صلاحیّت موجود ہے کہ وہ ایسے مہدیٔ کو قبول کریں جو اپنی قیادت میں اُنہیں کفّار سے لڑائے اور وہ اُس کے ساتھ ملکر اسلام کے لئے لڑائیاں لڑیں؟ گذشتہ انقلابِ افغانستان میں اُنہوں نے اپنی عدمِ صلاحیّت کا جو ثبوت دیا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ تو پھر کیا آپ کا فلسطین اور ایران اُس مہدیٔ کو امداد دیگا؟

ہرگز نہیں۔ اگر فلسطین اُس مہدیٔ کی پُشت پر ہو تو ایران اُس کا منکر ہوگا اور اگر ایران نے اُس مہدی کو امداد دی تو فلسطین اُس کی تکفیر کرے گا۔ پھر ایران ہو یا فلسطین، وہ تو بندوق پکڑنا بھی نہیں جانتے وہ لڑینگے کِس طرح؟ اور اگر یہ بھی نہیں تو کیا پھر آپ کا ہندوستان اُس خونی مہدی کے ساتھ ہوگا؟ ہندوستانی بیچارہ تو چھڑی کے سہارہ کے بغیر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ یقینے تحریکِ خاکساران میں رہ کر تجربہ کیا ہے، آپ کو تو چلنے کا بھی طریقہ نہیں معلوم۔ گذشتہ چھ ماہ میں ہزار کوشش کی مگر پشاور کی کسی خاکسار جماعت کے سپاہی قدم مِلا کر چلنا بھی نہیں سیکھ سکے۔ تو کیا اِسی بل بوتے پر قتال میں مہدیٔ کا ساتھ دوگے۔ اِنکے علاوہ تم اپنے مصر ہی کو لے لو۔ ٹرکی ہی سہی۔ یہ تو مغرب کی اندھا دُھند تقلید اپنا منتہائے زندگی سمجھتے ہیں۔ عرب، وہ عرب جہاں سرورِ کائنات کی تربت ہے، وہ عرب جنکے اسلاف کو مختصر سی مدت میں شاہِ دوجہان نے اپنے فیضِ صحبت سے جہانگیر و جہاں بان بنا دیا تھا، وہ عرب جہاں میرا کعبہ ہے اور وہ عرب جو میرا قبلہ ہے وہاں آج سلطان ابنِ سعود کی حکومت ہے۔ اگر اُن میں سے مہدیٔ پیدا ہوُا تو تم کہوگے کہ یہ تو بدبخت وہابی ہے۔ اب اِس نے یہ بھروپ اختیار کیا ہے۔ اور یاد رکھو کہ مثلِ سابق تم پھر کعبہ پر گولیاں چلانے کے لئے مقدمۃ الجیش کا کام دوگے۔*

* گذشتہ جنگِ عظیم میں جب انگریز ترکوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے تو مسلمانانِ ہندوستان کے بہت سے سجادہ نشینوں اور پیروں نے اپنے مرید برطانوی فوج کے لئے بھرتی میں دیئے اور اُنہیں تعویذ دیکر کہا کہ یہ گلے میں ڈال لو، تم پر کوئی گولی اثر نہ کرے گی۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس تو اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کوئی تعویذ اور کوئی دم نہ تھا جس سے وہ اور نہیں تو کم از کم اپنے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اِس کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے اسلامی دیار میں شائد اِس سے پہلے بھی بعض مہدی پیدا ہوئے اور لڑائیاں لڑے مگر تم نے کب اُنہیں امداد دی جواب اُنکے انتظار میں بیٹھے ہو؟

ضرور تھا کہ آنے والے مہدی کا انکار کیا جاتا۔

الغرض یہ مہدیؑ اگر مرزا غلام احمد علیہ السلام نہیں ہیں اور کوئی اور صاحب آنے والے ہیں تو میں پھر بھی تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا اور مجھے تم پر کوئی اعتماد نہیں۔ تم اُس کے متعلق بھی عمل سے جان چھڑانے کے لئے ہزاروں حیلے بہانے تلاش کروگے۔ اور یہودیوں نے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانا تھا اور اب تک نہیں مانتے اُسی طرح تم بھی مہدیٔ معہود علیہ السلام کو تا دمِ مرگ نہیں مانوگے۔ چنانچہ میرا ایمان ہے کہ وہ مہدیؑ جس کا ہمیں انتظار تھا چودھویں صدی ہجری کے سر پر آگیا مگر آپنے حیلے بہانے تراشے اور اُسے نہ مانا۔ خداؐ آپ کو ہدایت دے۔

مسیح اور مہدی بننے کے امیدوار مولویوں کا مبلغ علم اور بغض وحسد کی کیفیت، خداتعؐ نے کبھی اِس فرقہ سے کسی کو مامور نہیں کیا۔

باقی رہے آپ کے مولوی تو اُن میں سے بعض تو فقہ اور حدیث کے سوا قرآن کو چھوتے بھی نہیں، کیونکہ اُن میں سے بعض کا تو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا اِس لئے فقہ پڑھ لینا کافی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ حدیث ایک معیارؑ ہے اِس لئے قرآن کو طاق سے اُٹھانے کی زحمت برداشت کرنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جانثار چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی جان کفار کے مقابلہ میں بچا لیتے۔ مگر اِن بد اعمال سجادہ نشینوں کے پاس یہ طاقت تھی کہ وہ اپنے اُن مردود مریدوں کی جان بچالیں جو خداتعؐ کے گھر کو اپنی بندوق کی گولیوں اور توپ کے گولوں سے گرانے کے لئے جارہے تھے۔ ایسے مردود پر خداتعؐ کی ہزار ہزار لعنت جو چند درہموں کے لئے کعبہ تک کو بیچنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اے خداؐ! تو ہمیں اِس فتنہ سے بچا۔

عبث ہے۔ پس اُنکی تو کچھ نہ پوچھئے۔ وہ فقہ اور حدیث کی دو کتابیں پڑھ کر اپنے فرض سے سُبکدوش ہو جاتے ہیں۔ * اُن کا تو آج وہی عالم ہے جو عہدِ رسالتؐ اور صحابہؓ میں یہودی مولویوں اور عیسائی فریسیوں کا حال تھا، جبکہ ۶۳۵ء میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حکم سے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو اُس وقت شہر کے اندر عیسائیوں کے مولوی آپس میں اِس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیشاب پاک ہے یا پلید؟ یہ بعینہٖ اِس طرح ہے جس طرح کہ آج آپ کے مولوی اِس پر جھگڑتے رہتے ہیں کہ ض کا تلفظ زُواد ہے یا دُواد؟ خداتعؐ کی دروغگوئی کا امکان ہے یا نہیں؟ (نعوذ باللہ منہا) پس یہ مولوی اگر یہ سمجھتے ہوں کہ ہم میں سے کوئی مہدیؑ بنا دیا جائے گا تو مطمئن رہیں۔ آجتک خداتعؐ نے اِس فرقۂ ضالّہ میں سے کبھی کسی کو مامور نہیں کیا اور اب بھی سنّت اللہ کے مطابق اِنہیں یہ عہدہ نہیں دیا گیا بلکہ ایک حارثؑ کو یہ خدمت سپرد کی گئی ہے:

* یُننے تحریکِ خاکساران کے سلسلہ میں پشاور کے ایک مشہور مولوی کے پاس جو پشاور کی ایک جامع مسجد کا خطیب ہے علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کی معیت میں جاکر اُسے بیلچہ اُٹھانے کی دعوت دی۔ اُسے ہمنے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ہم مسلمانوں میں اطاعتِ امیر کا مادہ پیدا کرکے اُن میں اخوت، مساوات، اتحاد، محنت کشی کی عادت اور انصاف پر قائم رہنے کی خاصیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت قوم جہاد کے لئے تیار ہو۔ بجائے اِسکے کہ وہ مولوی صاحب ہماری دعوت قبول کرکے جہاد کی تیاری کے لئے آمادہ ہو جاتے، اُنھوں نے ہمیں بھی پھسلانا شروع کیا۔ وہ ہم سے فرمانے لگے کہ بس آپنے کتابیں لکھدی ہیں اور لوگوں کے سامنے ایک لائحۂ عمل پیش کر دیا ہے، اب آپ سبکدوش ہیں، آپ بیلچہ اُٹھانیکی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں جانے دیجئے، جس میں صلاحیت ہوئی وہ آپکی بات کو خود بخود قبول کرے گا۔ واہ، مولوی جی! آپ کے کیا کہنے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝

(۴ : ۵۴)

کیا اُس چیز پر جو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے لوگوں کو عنایت فرمائی ہے { یعنی یہود جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ سوائے اُنکے نبوت اور حکومت کا کوئی حقدار نہیں تو، اَے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا اس نبوت پر جو اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے فضل سے عنایت فرمائی ہے } وہ حسد کرتے ہیں؟ مگر واقعہ تو یہ ہے کہ ہم نے اپنی مرضی سے اولادِ ابراہیمؑ کو کتاب قانون، حکمت اور حکومت بخشی ہے۔ (یہ لوگ بلا وجہ حسد کرتے ہیں۔)

چنانچہ خواجہ حافظؒ شیرازی بھی ایسے حاسدوں کے متعلق فرماتے ہیں:

حسد چہ مے بری، اے سُست نظم بر حافظ

قبولِ خاطر ولطفِ سخن خدا داد است

مولویوں کے علاوہ مسیح اور مہدیؑ بننے کے وہ امیدوار جو اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔

اِس فرقۂ ضالّہ کے علاوہ ایک اور طبقہ بھی ہے جو اِس بات کا اُمیدوار ہے کہ اُن میں سے کوئی مہدیؑ مقرر ہو گا۔ اور یہ لوگ ضالّ ہی نہیں بلکہ اضلّ ہیں۔ یہ لوگ اولیاء اللہ کے نام سے مشہور ہیں مگر دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے دوست تو کجا اُنکے دشمن ہیں۔ اِنہوں نے مشرکین اور کفار کی طرح خداتعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنایا ہُوا ہے۔ گویا

ننگِ اسلام مسلمانوں کے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہیں۔ اُنہیں اولادیں دیتے ہیں اور مال و زر بخشتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس امر پر مقرر ہیں کہ اُسکے خزانے لوگوں پر تقسیم کرتے پھریں جسکے عوض لوگوں سے نیازیں اور نذریں قبول کرتے ہیں۔ جو شخص خوش قسمتی سے اُن کے دام میں نہ پھنسا ہو اُسے بے پیر کا خطاب دیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک پیر صاحب* نے جو ہندوستان میں خوب مشہور ہیں ازراہِ لُطف مجھ سے خود دریافت فرمایا کہ تم نے کہیں بیعت تو نہیں کی؟ مَیں نے عرض کی حضور میں بہت چھوٹا تھا جب والدین نے فلاں پیر صاحب کے ہاں مرید کرا دیا تھا۔ کہنے لگے، واہ! نابالغ کی بیعت کب ہوتی ہے۔ دوبارہ مجھ سے بیعت کرو۔ پھر ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک گاؤں جانا ہُوا۔ وہاں پر ایک مشہور خانقاہ اور اُسکی گدّی ہے۔ واپسی پر کچھ راستہ پیدل چلنا تھا چنانچہ وہاں کے سجادہ نشین صاحب کے ایجنٹ ساتھ ہو لئے۔ کہنے لگے یہ پیر صاحب ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ اِنکے باپ بہت بڑے ولی تھے اور اِنکے دادا تو بس قطب ہی تھے۔ آپ نے کسی سے بیعت کی ہے؟ مَیں نے جواب دیا، جی نہیں۔ یہ سُنکر وہ بزرگ رُک گئے اور کہنے لگے پھر آپ کیوں ......! مَیں نے کہا جناب مَیں کچھ دیکھ کر بیعت کروں گا۔ بس یہ کہنا کافی تھا اور وہ بمصداقِ دیوانہ را ہوس است، ریلوے اسٹیشن تک ہمارے ساتھ مغز چاٹتے ہوئے آئے۔ خداتعالیٰ اِس طبقہ کے شر سے بچائے۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کشف المحجوب میں اِن لوگوں

* یہ پیر صاحب وہی ہیں جنہوں نے خانۂ کعبہ پر گولیاں چلانے کے لئے اپنے مرید بھرتی میں دیئے تھے اور اُنہیں تعویزات دیکر کہا تھا کہ مسلمان مجاہدین کی گولیاں تم پر اثر نہ کرینگی۔ لعنۃ اللہ علی اولیاء الطاغوت۔

کی خوب گت بنائی ہے۔ خداتعؐ اُن پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔

خونی مہدی کے راستہ میں مشکلات اور جہاد کے لوازمات، التوائے جنگ کے وجوہات، مہدئ معہود علیہ السلام کے ارشادات۔

یہ تو ہے آپ کے عالمِ اسلام کی حقیقت۔ اب آپ بتایئے کہ آپ کا مہدی کس فرقہ اور کس جماعت میں سے ہوگا؟ اور کہاں اور کب پیدا ہوگا؟ تاکہ پہلے تو آپ کی اخلاقی حالت کو درست کرے پھر آپ کے لئے ایک فوجی سکول کھولے جس میں آپ کو زمین پر کھڑا ہونے اور چلنے کا طریقہ بتائے اور اُسکے بعد ایک فوجی کالج تعمیر کرے جس میں آپ کو آدابِ جنگ سکھائے۔ پھر آپکی ایک فوج مرتب کرکے علی بابا کے چالیس چوروں کی طرح ادھر اُدھر لڑتا اور خون بہاتا پھرے۔ پس آپ جان لیں کہ ایسا مہدی ہرگز خداتعؐ کیطرف سے نہیں آئیگا۔ خداتعؐ کی طرف سے تو آپ جیسی بزدل اور کم ہمت قوم کی رہنمائی کے لئے ایک موسیٰؑ صفت کا آنا مقدر تھا جو آیا اور خود اب چلا بھی گیا۔ اُسؑ کے بعد اب حضرت یوشع علیہ السلام کی طرح ممکن ہے کوئی ایسا جرنیل پیدا ہو جو کسی صالح العمل جماعت، کسی ایثار پیشہ قوم اور کسی ایسے فرقہ کا امیر ہو جو اُس موسیٰؑ صفت نبیؑ کی تعلیم پر عمل کرنے کے بعد اپنے اخلاق سدھار چکا ہو، اُس میں شجاعت کا مادہ پیدا ہو چکا ہو، اُسکی طبیعت میں استقلال موجود ہو، اُس میں اتحاد ہو، اطاعتِ امیر ہو، خداتعؐ کی راہ میں جان قربان کردینے کا جذبہ ہو، نظام ہو، قوتِ عمل ہو، ایک دوسرے پر اعتماد ہو، خداتعؐ پر توکل ہو، محنت کشی کی عادت ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندہ خداتعؐ پر ایمان بھی ہو، اسلام سے محبت بھی ہو، رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے عشق بھی ہو، قرآن کے ہر ایک حکم پر سختی کے ساتھ عمل بھی ہو اور جہاد فی سبیل اللہ

کو ماسوا سے عزیز بھی رکھتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مہدئ معہود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کوئی لڑائی نہیں کی اور یہی وجہ ہے کہ خداتعؐ کے اُس برگزیدہ نبیؑ نے قتال کے لئے آپ کو اجازت نہیں دی کما قولہٗ:

ظاہر ہیں خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں
اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں

اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی
وہ سلطنت وہ رُعب وہ شوکت نہیں رہی

وہ علم وہ صلاح وہ عفت نہیں رہی
وہ نور اور وہ چاند سی طلعت نہیں رہی

وہ دَرد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی
خلقِ خداتعؐ پہ شفقت و رحمت نہیں رہی

دِل میں تمہارے یارتعؐ کی اُلفت نہیں رہی
حالت تمہاری جاذبِ نصرت نہیں رہی

حمق آگیا ہے سر میں وہ فطنت نہیں رہی
کسل آگیا ہے دِل میں جلاوت نہیں رہی

وہ علم و معرفت وہ فراست نہیں رہی
وہ فکر وہ قیاس وہ حکمت نہیں رہی

دُنیا و دیں میں کچھ بھی لیاقت نہیں رہی
اب تم کو غیر قوموں پہ سبقت نہیں رہی

وہ اُنس و شوق و وجد وہ طاعت نہیں رہی
ظلمت کی کچھ بھی حد و نہایت نہیں رہی

ہر وقت جھوٹ، سچ کی تو عادت نہیں رہی
نورِ خداتعؐ کی کچھ بھی علامت نہیں رہی

سو سو ہے گند دِل میں طہارت نہیں رہی
نیکی کے کام کرنے کی رغبت نہیں رہی

خوانِ تہی پڑا ہے وہ نعمت نہیں رہی
دیں بھی ہے ایک قشر حقیقت نہیں رہی

مولیٰتعؐ سے اپنے کچھ بھی محبت نہیں رہی
دِل مر گئے ہیں نیکی کی قدرت نہیں رہی

سب پر یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی
اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی

تم مر گئے تمہاری وہ عظمت نہیں رہی
صورت بدل گئی ہے وہ صورت نہیں رہی

اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی؟
بھید اِس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی

اَب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے
کرتی نہیں ہے منع صلوٰۃ اور صوم سے

ہاں آپ تم نے چھوڑ دیا دیں کی راہ کو
عادت میں اپنی کر لیا فسق و گناہ کو

اب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے
مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

اے قوم! تم پہ یار کی اب وہ نظر نہیں
روتے رہو دُعاؤں میں بھی وہ اثر نہیں

کیونکر ہو وہ اثر کہ تمہارے وہ دل نہیں
شیطاں کے ہیں خدا کے پیارے وہ دل نہیں

تقویٰ کے جامے جتنے تھے سب چاک ہو گئے
جتنے خیال دل میں تھے ناپاک ہو گئے

کچھ کچھ جو نیک مرد تھے وہ خاک ہو گئے
باقی جو تھے وہ ظالم و سفاک ہو گئے

اب تم تو خود ہی موردِ خشمِ خدا ہوئے
اُس یار سے بشامتِ عصیاں جُدا ہوئے

اب غیروں سے لڑائی کے معنی ہی کیا ہوئے
تم خود ہی غیر بن کے محلِ سزا ہوئے

سچ سچ کہو کہ تم میں امانت ہے اَب کہاں
وہ صدق اور وہ دین و دیانت ہے اَب کہاں

پھر جبکہ تم میں خود ہی وہ ایماں نہیں رہا
وہ نورِ مومنانہ وہ عرفاں نہیں رہا

پھر اپنے کفر کی خبر، اے قوم! لیجئے
آیت عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ یاد کیجئے

ایسا گماں کہ مہدیٔ خونی بھی آئے گا
اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائیگا

اے غافلو! یہ باتیں سراسر دروغ ہیں
بہتاں ہیں بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آ چکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

اب سال سترہ بھی صدی سے گذر گئے
تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے

تھوڑے نہیں نشاں جو دکھائے گئے تمہیں
کیا پاک راز تھے جو بتائے گئے تمہیں

پھر تم نے اُن سے کچھ بھی اُٹھایا نہ فائدہ
مُنہ پھیر کر ہٹا دیا تم نے یہ مائدہ

بخلوں سے یارو باز بھی آؤ گے یا نہیں
خو اپنی پاک صاف بناؤ گے یا نہیں

باطل سے میل دل کی ہٹاؤ گے یا نہیں
حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں

اب عذر کیا ہے کچھ بھی بتاؤ گے یا نہیں
مخفی جو دل میں ہے وہ سناؤ گے یا نہیں

آخر خدا کے پاس بھی جاؤ گے یا نہیں
اُس وقت اُس کو مُنہ بھی دکھاؤ گے یا نہیں

تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار
اَب اُس کا فرض ہے کہ وہ دل کر کے استوار

لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶ ۱۹۰۲ء)

مولویوں کو چیلنج، غیر احمدیوں کی طاقت کا اندازہ

مَیں حیران ہوں کہ وہ مولوی صاحبان جو جماعتِ احمدیہ کے خلاف یہ الزام لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ جہاد کے منکر ہیں، خود کیوں خونریز لڑائی نہیں کرتے؟ خود کیوں زبانی اور قلمی جنگ کرتے ہیں؟ کیوں توپ و تفنگ کے ساتھ جماعتِ احمدیہ ہی سے نہیں لڑتے؟ چونکہ وہ زبانی اور قلمی لڑائی لڑتے ہیں اِس لئے جماعتِ احمدیہ بھی اُنکے مقابلہ میں اِنہی آلاتِ حرب کے ساتھ آتی ہے۔ اگر وہ توپ و تفنگ لے کر آئیں تو یاد رکھو، ہم بھی توپ و تفنگ کے ساتھ مقابلہ کرینگے۔ ہم سخت جان ہیں۔ آزمودہ کار سپاہی ہیں۔ ہم میں ایثار کا مادہ ہے اور خدا کے راستہ میں جان و مال قربان کرنے کا جذبہ موجود ہے۔ تم بتاؤ، تمہارے پاس کیا ہے؟ کیا موچی دروازہ کی فوج لے کر آؤ گے یا بھاٹی دروازہ کا رسالہ؟ بہرحال ہماری ٹوٹی ہوئی تلوار تمہاری رُوح قبض کرنیکے لئے کافی ہوگی۔ پھر یہ کہ تم کس مولوی کی قیادت میں لڑو گے؟ زید کی یا بکر کی؟

تمہارا تو کوئی امیر نہیں۔ کوئی نظام نہیں۔ تم میں اتّحاد نہیں، اطاعت نہیں۔ مگر اِس طرف بفضلہٖ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری فرمانبرداری سے ایک اور صرف ایک امیر ہے جس کا کوئی رقیب نہیں، نظام ہے، اتّحاد ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اطاعت ہے۔

جہاد کی تشریح، علامہ عبدالحق الحقانی دہلوی کا جہاد کے متعلق فتویٰ، جہاد سے مراد محض جنگ اور قتال نہیں ہے، اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ ہی جہاد ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ یہ مولوی صاحبان کمال بد دیانتی سے ہم پر یہ اتہام لگاتے ہیں کہ ہم جہاد کے منکر ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قتال نہیں کیا اور نہ اب تک جماعتِ احمدیہ نے کوئی خونریز جنگ کی ہے، اور اِس میں بھی شک نہیں کہ حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خونریز لڑائی کی اجازت نہیں دی جسکے وجوہات مندرجہ فوق اشعار میں کھولکر آپؑ نے بیان فرما دیئے ہیں، مگر اِس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ آپؑ نے جہاد کو حرام قرار دیکر شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کوئی تنسیخ یا ترمیم کی ہے۔ ممکن ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اشعار کی آڑ لے کر وہ یہ الزام جماعتِ احمدیہ پر لگاتے ہوں، سو ہم اِس مسئلہ کی حقیقت کو ابھی بے نقاب کئے دیتے ہیں، چنانچہ محولہ فوق اشعار سب سے پہلے یہاں لکھ دیتے ہیں تاکہ معاملہ فہمی میں سہولت ہو:-

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال … دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے … دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے … اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد … منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبیؐ کی حدیث کو … جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اُس خبیث کو
کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر … کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھولکر
فرما چکا ہے سیّدِ کونین مصطفیٰ … عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردے گا التوا
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائے گا … جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا
پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند … کھیلینگے بچے سانپوں سے بیخوف و بے گزند
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا … بھولینگے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا
یہ حکم سُنکے بھی جو لڑائی کو جائے گا … * وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائیگا
اِک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے … کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے
القصہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشان … کردے گا ختم آکے وہ دیں کی لڑائیاں

دراصل معاملہ یہ ہے کہ تُکَلِّمُوا النَّاسَ عَلیٰ قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ کے حسبِ منشاء چونکہ لوگ جہاد سے محض جنگ اور قتال مراد لیتے ہیں اِس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس جہاد کا خیال چھوڑ دو جو تمہارے نزدیک دین کے لئے جنگ اور قتال کے معنی رکھتا ہے۔

* تاریخ شاہد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اعلان کے بعد دنیا بھر کے نام نہاد مسلمان جو لڑائیاں لڑے سب میں اُنھوں نے بُری طرح سے شکست کھائی اور ذلیل و رسوا ہوئے۔ سوائے مدافعانہ جنگ کے جو ایک دو مقام پر ہوئی اُس سے مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی نہیں روکا اور ایسی لڑائی کو ہرگز ملتوی نہیں فرمایا۔ پس غیر احمدی مولوی کیوں کھُلے کھُلے نشانات کو جھٹلا کر نادان مسلمانوں کو دھوکے میں رکھتے ہیں؟ اب بھی وقت ہے، سمجھنے والا دماغ اگر چاہے تو اب بھی سمجھ سکتا ہے۔

درحقیقت ان مولویوں نے خدا تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے، جہاد کے معاملہ میں لوگوں کو سخت غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ قرآن میں خونریز جہاد کا سب سے زیادہ تذکرہ سورۂ توبہ میں ہے، چنانچہ اُس سورۃ کے تیسرے رکوع کی پہلی پانچ آیات کی تفسیر میں علامہ ابو محمد عبدالحق الحقانی الدہلوی نے تفسیرِ حقانی، طبع ششم، دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی، جلدِ چہارم کے صفحہ ۲۰۱ پر حقیقتِ جہاد کو خوب واضح فرمایا ہے۔ یہ خیال رہے کہ مفسّرِ مذکور احمدی نہیں ہیں۔ بلکہ اہلِ سنّت والجماعت کے مشہور و معروف علمار محدّثین میں سے ایک نہایت ہی قابلِ احترام شخصیّت کے بزرگ ہیں، لہٰذا ہم جہاد کے متعلق اُنہی کا قول پیش کرتے ہیں تاکہ غلط فہمی دُور ہو جائے، وھو ھٰذا:

واضح ہو کہ انسان کے لئے تین چیزیں ہیں، روحؔ، بدنؔ، مالؔ، جب تک وہ ان تینوں کو مہذب اور درست نہ کرے گا سعادت کا مُنہ نہ دیکھے گا۔ رُوح کی تہذیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لاوے، مبدء و معاد ذکر کرنے سے یہ غرض کہ جو اُن کے وسائل ہیں، ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کی کتابیں، اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لانا موقوف علیہ ہے، بغیر اُن کے مبدء و معاد پر ایمان قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ قوتِ نظریہ کی تکمیل ہے۔ اور جب رُوح منوّر ہو جاتی ہے تو وہ اپنے حیزِ طبعی،۔ عالمِ نور اور عالمِ سرور۔ کی طرف بے خود ہو کر کھینچتی ہے؛ اور اپنے ساتھ اِس جسم اور اِس کے مایۂ عیش اور شہوات کو۔ اور مال کے صرف کرنے کا موقع بھی نوع کی نفع رسانی اور اُن کو ورطۂ ہلاکتِ جاودانی سے نکال کر کرسئ سعادت پر بٹھانے میں ہے، اور اپنے محبوبِ حقیقی کا نام پاک زمین پر روشن

کرنے میں، اور اِس رستہ میں جو سدِّ راہ ہیں اُنکے دُور کرنے میں ہے۔ اور اِس کا نام جہاد ہے۔ جہاد کیا ہے؟ گویا جلتوں کو آگ میں سے نکالنا یا ڈوبتوں کو تھامنا ہے۔ اِس میں جان اور بدن اور مال تینوں صرف ہوتے ہیں اور اُنکی پوری تہذیب اور آراستگی ہو جاتی ہے اور یہ لوگ گویا ہمیشہ کے لئے توحید اور حق پرستی کا نشان زمین پر چھوڑ جاتے ہیں یا سعادت کا مدرسہ یا حیاتِ جاودانی کا چشمہ جاری کرتے ہیں جس کے صلہ میں اُنہیں سعادتِ عظمٰی اور حیاتِ جاودانی عطا ہوتی ہے، اِس لئے اوّل اُنکے مساعیٔ جمیلہ کو بیان فرماتا ہے: اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ..... الخ۔ یہ تین کام ہوئے: ایمان لاناؔ، ہجرت کرناؔ، جہاد کرناؔ، اب اُنکے نتائج ذکر کرتا ہے:

اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ، کہ اُن کا درجہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ اور وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ۔ کہ اُن کا ربّ تعالیٰ اپنی رحمت کی اُنہیں بشارت دیتا ہے (اپنی رحمت اور اُن کا ربّ تعالیٰ جو کچھ مقامِ عشق میں لُطف دے رہا ہے بیان سے باہر ہے) یہ تیسری بات ہوئی جس میں تین چیزیں ہیں۔ اوّل رضوان، اپنی خوشنودی کی بشارت کہ اللہ تعالیٰ اُن سے ہمیشہ خوش رہے گا۔ دوم جنّت، یعنی ایسے باغ ملیں گے کہ جن میں نعم و نازِ دائمی ہیں۔ سوم اُس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہ تین انعام تو اُن کے تین مساعیٔ جمیلہ کے بدلہ میں تھے مگر اپنی طرف سے خدا تعالیٰ ایک اور بڑھ کر انعام کا مژدہ سُناتا ہے۔ وہ کیا؟ اجرِ عظیم۔ اِسکی تفسیر میں علماء کے بہت اقوال ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ اجرِ عظیم دیدارِ الٰہی ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی اجر نہیں۔ اِس بشارت میں خلفائے اربعہ بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں۔ اب اِن فضائل

اور ان اوصاف کے مقابلہ میں تعمیرِ مسجد اور حاجیوں کو پانی پلانا کیا ہے؟ فرض کرو کہ کسی نے سونے کی مسجد بنائی اور شربت اور دودھ کی سبیل لگائی، پھر کیا یہ کام ابقاء اسلام اور احیاء ملت خیر الانامؐ کے حق میں اشاعتِ علوم اور بناء مساجد اور جہاد فی سبیل اللہ تم کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آجکل جو مسلمانوں کا ستارہ پستی پر ہے، یہی وجہ ہے کہ انکو نیکی بھی نہیں آتی۔ ایک فریق جو حامئ قوم اور ریفارمر اٹھا تو اُنھوں نے دین اور اسلام کو سلام کر کے محض انگریزی تعلیم اور اُنکی وضع کو وسیلۂ ترقی جانا۔ اوّل تو اِس میں حصولِ دنیا نہیں اور جو ہو تو اسلام کی پرواہ نہیں۔ مرتد ہی کیوں نہ ہو جائے پر کوئی نوکری مِل جائے۔ اگر ایسا ہو تو اِسلامیوں کو کیا خوشی ہوگی۔ سیکڑوں عیسائی دولتمند ہیں ہُوا کریں۔ نہ اُن کو خداتعؐ کے کلام اور پیغمبر علیہ السلام کے علوم باقی رہنے کی فکر نہ اُنکی کوئی تدبیر۔ دُوسرا فریق ایسا اُٹھا کہ اُس نے بدعات میں سرگرمی کرنا باعثِ اجرِ عظیم سمجھ لیا۔ اُن کے نزدیک ابقاء اسلام اور کارِ خیر ہے تو یہ ہے۔ **برخلاف اِن کے مخالفوں کی مفید کوششیں کیا غضب ڈھا رہی ہیں۔ کہیں زنانہ مدارس، کہیں واعظ ملکوں میں پھرتے ہیں۔ کہیں تصانیف کا بازار گرم ہے۔**

پھر اِسی کتاب کے صفحہ (۲۱۲) پر آیۂ شریفہ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ ط وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ط ...... الخ کی تفسیر میں علامہ موصوف رقم فرماتے ہیں:

اِن آیات میں اُن گمراہانِ ازلی کے شجرِ جات کو قطع و برید کر دینے کا حکم دیتا ہے کہ جن میں کسی قسم کا مادۂ اِصلاح باقی نہیں رہا۔ فقال جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ

وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ۔ کہ اِن لوگوں سے جہاد کر اور اُن پر نرمی نہ کر جیسا کہ آپؐ کی عادتِ حمیدہ ہر شخص سے نرمی اور لُطف کی ہے۔ کفار سے جہاد تلوار سے اور منافقین سے زبان سے کرو (ابن عباسؓ)، کیونکہ منافقین بظاہر مسلمان تھے اُن کے قتل نہ کرنے کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی تھی کہ عرب یہ کہینگے کہ محمدؐ اپنے اصحابؓ کو قابو پا کر قتل کرتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہُوا کہ **اِس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا بھی جہاد ہے۔**

موقع اور محل کی مناسبت سے تبلیغِ اسلام کے لئے ہر فعل جہاد ہے، زمانہ کی ضرورت کے مطابق جماعت احمدیہ کا جہاد اور غیر احمدیوں کا جہاد سے صریح انکار۔

اِن ابحاث سے صاف ظاہر ہے کہ جہاد کے معنی محض قتال ہی نہیں بلکہ تبلیغ اسلام کے لئے موقع اور محل کی مناسبت سے ہر فعل اور ہر کام جہاد ہے۔ چنانچہ کُلُّ اَمْرٍ مَّرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِہَا کے مطابق جب جس کام کا وقت ہو وہی کام کیا جاتا ہے۔ اگر قتال کی ضرورت ہو تو قتال، مناظرہ اور مباحثہ کی ضرورت ہو تو مباحثہ اور مناظرہ اور اگر خاموش رہنے کی ضرورت ہو تو خاموشی اختیار کر لینا گویا موقع اور محل کے مطابق تبلیغِ اسلام کے سِلسِلہ میں کام کرنا جہاد ہے۔ چونکہ علامہ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا اور وہ خود بھی ایک جلیل القدر فاضل تھا اِس لئے اُس نے بھی کہہ دیا کہ **اِس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث کرنا جہاد ہے۔**

اب کہاں ہیں حدیث اور فقہ کی دو دو کتابیں پڑھ کر مولٰنا اور محدث کہلانے والے ملّانے۔ میدان میں آئیں، علامہ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی کے جواب میں قرآنِ شریف کی تفسیر لکھیں اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعتِ احمدیہ پر

یہ اتہام لگائیں کہ وہ جہاد کے مُنکر ہیں۔ میرے نزدیک تو جہاد کے مُنکر یہ خود ہیں کیونکہ اِس زمانہ میں جس قسم کے جہاد کی ضرورت ہے وہ نہ تو خود کرتے ہیں اور نہ دوسرے مجاہدین کو کام کرنے دیتے ہیں بلکہ مجاہدینِ اسلام کے راستہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ مگر یہ ملّانے یاد رکھیں کہ اسلام کبھی ایسے دھوتی پرشادوں سے مغلوب نہیں ہونے کا بلکہ ہمیشہ غالب رہے گا!

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

(۵ : ۵۶)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
اور ایمان لانے والوں کو اپنا ولی قرار دے گا تو جان لو
کہ وہی گروہ ہے جو اللہ کا ہے اور وہی لوگ غالب ہونگے۔

درحقیقت اِن ملّانوں کا فرقہ مفسدین کا ایک گروہ ہے جو خدا تعالیٰ کی زمین پر خواہ مخواہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور پھر غضب تو یہ ڈھاتے ہیں کہ فساد کے کام کو اصلاح کا کام سمجھتے ہیں:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○

(۲ : ۱۱)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد نہ کرو تو کہتے ہیں
کہ واہ، ہم تو امن پیدا کرنے والے اور اصلاح کرنے والے
ہیں۔

مولویوں کا اکثر حق سے گریز کرنا، ایک مشہور واقعہ سے استدلال، مولوی خود جہاد سے بچنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تکفیر و تکذیب کرتے ہیں۔

الغرض مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے وقت میں قتال کا حکم اگر نہیں دیا تو اِس لئے کہ اُس زمانہ میں اِسکی ضرورت نہ تھی۔ آئندہ جس وقت بھی ضرورت ہوئی تو قتال کیا جائے گا اور جماعت احمدیہ ہی یہ کام کریگی۔ آپ کے یہ محدّثین اور مدعیانِ علم اُس وقت بھی جہاد فی سبیل اللہ سے اِسی طرح بھاگیں گے جس طرح آج کفّار اور مشرکین کے مقابلہ میں مباحثہ اور مناظرہ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک مولوی صاحب کسی مسجد کی دیوڑھی میں براجمان تھے اور اُس وقت بارش ہو رہی تھی۔ باہر سڑک پر کوئی صاحب بارش سے بھاگ کر مسجد کی طرف آ رہے تھے تو یہ مولوی صاحب اُن سے کہنے لگے، کیوں، بھائی! خدا تعالیٰ کی رحمت سے کیوں بھاگتے ہو؟ اتفاق سے پھر ایک دن بارش ہوئی اور وہ پہلی بارش سے بھاگ کر مسجد میں پناہ لینے والے صاحب اِس مرتبہ مسجد کی دیوڑھی میں تھے اور مولوی صاحب باہر سے بھاگ کر آ رہے تھے۔ موقع غنیمت شمار کر کے اُن صاحب نے مولوی جی سے استہزار کے طور پر کہا، کیوں، مولوی جی! خدا تعالیٰ کی رحمت سے کیوں بھاگتے ہو؟ مولوی صاحب کے پاس اپنے مطلب کے لئے تو مسئلہ موجود تھا۔ کہنے لگے، واہ، کیا تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کو مَیں پاؤں کے نیچے کچل کر گنہگار بنوں؟ اِس پر اُن صاحب نے مولوی جی سے کہا تو پھر آپ نے مجھے کیوں اُس دِن رحمتِ خدا تعالیٰ سے بھاگنے پر موردِ الزام ٹھیرایا تھا؟ مولوی جی نے جواباً کہا کہ بھائی! معاملہ یہ ہے کہ عالم اور جاہل میں بھی تو فرق ہوتا ہے۔ عوام النّاس تو العوام کالانعام کے مطابق قابلِ مواخذہ نہیں ہیں۔ مگر ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے پھر اُسے

پاؤں کے نیچے کچلنے سے بھلا ہم کیوں نہ پرہیز کریں۔ واہ، ملّاجی! آپ کے کیا کہنے لوگ تو عوام کالانعام ہوئے اور آپ خداؐ کے برگزیدہ۔ پھر یہ تو دیکھئے کہ اس چھوٹے سے معاملہ میں مولوی صاحب نے بارش سے بچنے کے لئے کیا بات بنالی۔ اب جہاد جیسے اہم کام سے بچنے کے لئے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تکفیر و تکذیب نہ کریں تو کمال ہی کیا ہوا؟ رحمتِ خداؐ سے بھاگیں تو خود مگر کہتے لوگوں کو پھریں کہ فلاں رحمتِ خداؐ سے بھاگتا ہے۔ جہاد کا عملاً انکار تو کریں خود مگر اپنی جان بچانے کے لئے جماعتِ احمدیہ کو جہاد کا منکر ثابت کریں۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ واہ، مولوی جی! اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، تاکہ آپ مجاہدین کے راستہ میں روڑے اٹکا اٹکا کر آخرِ کار جہنم کو **وقود** کا کام دیں۔

مسیح موعود علیہ السلام کا دعوئ نبوت اور اکثر لوگوں کا انکار، ایک آنے والے نبیؑ کا متحدہ انتظار، مسئلۂ نزولِ عیسیٰؑ کی حقیقت۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا دعوئ نبوت ہے۔ سو واقعہ یہ ہے کہ اِس معاملہ میں بھی مولویوں کے فرقۂ ضالّہ نے لوگوں کو خواہ مخواہ دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ وہ خود ایک نبیؑ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے اور ایک آنے والے نبیؑ کی امید کر رہے ہیں مگر آنے والا مسیح نبی اللہ جب نازل ہوا تو اوّل المکفرین وہی منتظرین کا گروہ بنا۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ یہ مولوی صاحبان آنے والے مسیح نبی اللہ کے متعلق آجتک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ وُہ آسمان سے نازل ہوگا۔ مگر وُہ زمین سے نکل آیا۔ بعینہٖ اُسی طرح کہ جس طرح خداؐ قرآن شریف میں لوہے کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کما قولہٗ تعالیٰ:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۠

(۵۷ : ۲۵)

درحقیقت ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتابِ قانون اور معیارِ عمل کو نازل کیا تاکہ لوگ اپنے اعمال کو نقطۂ اعتدال پر قائم کریں، اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جس میں سختی اور شدت ہے اور لوگوں کے لئے اُس میں نفع بھی ہے تاکہ خداؐ یہ معلوم کرے کہ کون غائبانہ اُسے اور اُنکے پیغمبروں کو امداد دیتا ہے، اور واقعہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بڑی طاقت والا اور بڑی قوت والا ہے۔

اب اِس آیت کے سطحی مطالعہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اُسی جگہ اَلْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ کا آسمانوں سے نازل کیا جانا بیان کیا ہے اور پھر لوہے کے متعلق بھی اَنْزَلْنَا کا لفظ استعمال کیا ہے جو اَلْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ کے متعلق اُسی مقام پر استعمال ہوا ہے تو یقیناً لوہا بھی اَلْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ کی طرح آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اُسپر یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ غالباً رات کو شبنم کے ساتھ نازل ہو کر زمین میں جم جاتا ہے کیونکہ دن کے وقت تو اُس کا نزول کہیں نہیں دیکھا گیا۔ مگر دُنیا جانتی کہ لوہا آسمانوں سے اُس معنی میں

نازل نہیں ہوتا جس معنی میں کہ اَلْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ نازل ہوتے ہیں پس لوہے کے لئے جو اَنْزَلْنَا فرمایا ہے تو اِس کے معنی نازل کرنا نہیں بلکہ پیدا کرنا ہیں۔ چنانچہ اسی طرح سورۂ زمر کے پہلے رکوع کی چھٹی آیت میں فرمایا وَ اَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۰ (۳۹ : ۶) یعنی اللہ تعالےٰ نے حیوانات میں سے آٹھ جوڑے تمہارے لئے نازل کئے، سو یہاں پھر اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہُوا ہے مگر اس کے معنی یہاں پر بھی آسمان سے اُتارنا نہیں ہیں بلکہ یہیں پیدا کر دینا ہیں۔ پھر ایک اور مقام پر بھی اَنْزَلْنَا کا لفظ پیدا کرنے کے معنی میں اِستعمال ہُوا ہے کما قولہٗ تعالےٰ:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ط

(۷ : ۲۷)

اے اولادِ آدمؑ! ہم نے تم پر لباس کو نازل کیا

ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپنے کے لئے ہے اور

تمہاری زینت کے واسطے ہے۔

یہاں پر لباس کے لئے اَنْزَلْنَا کہا ہے مگر لباس تو کبھی آسمان سے اُترتا ہُوا نہیں دیکھا گیا۔ ہمیشہ زمین سے پیدا شدہ چیزوں سے لباس بنتا ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ یہاں پر بھی اَنْزَلْنَا سے مُراد پیدا کرنا ہے۔ اندریں حالات ہم نزولِ مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ کیوں نہ کہدیں کہ وہ بھی زمین سے پیدا ہوگا کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رواہ البخاری:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلّم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ "تمہارا اُسوقت کیا

حال ہوگا جبکہ ابنِ مریم تم میں نازل ہوگا اور وہ تمہارا امام

تمہیں میں سے ہوگا؟"

چونکہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ امام بخاریؒ کی صحیح ہے اور ہمیں اُس میں احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل اور اکمل مجموعہ ملتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ملّانوں کے کہنے سے ہم دوسری کتب میں نزولِ مسیحؑ کا مسئلہ تلاش کرتے پھریں۔ ایک صداقت کے متلاشی کے لئے تو اِسقدر کافی ہے کہ وہ قرآن اور اُسکے بعد صحیح بخاری میں کسی مسئلہ کو دیکھ لے اور اگر اُن میں اُسے کسی مسئلہ کی تفہیم کیلئے کچھ مل جاتا ہے تو اُسی پر قناعت کرے کیونکہ جو شخص قناعت نہیں کرتا وہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ پس قرآن میں اور حدیث میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے جو آپکے سامنے رکھ دیا ہے۔ یعنی نزولِ مسیحؑ کے متعلق امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اُس میں نزول کا لفظ استعمال ہُوا ہے اور نزول کے معنی قرآن میں آسمان سے اُترنا ہی نہیں بلکہ زمین سے پیدا ہونا بھی ہیں۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام حسب خبر اسی زمین پر قادیان میں پیدا ہوئے اور اپنے ساتھ خدا کے کھُلے کھُلے نشانات لے کر آئے۔ اگر کوئی صاحب اُنکے نشانات کا علم حاصل کرنا چاہتے

ہوں تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تصانیف اور اُن کے زمانہ کے حالات جو دیگر کتب میں نقل کئے گئے ہیں مطالعہ فرمالیں، اُنہیں معلوم ہو جائے گا کہ خداؑ کے اُس برگزیدہ نبیؑ کو جو رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا اُمتی تھا کس قدر آیاتِ بیّنات کے ساتھ ہماری ہدایت کے لئے خدائے عزّ وجلّ نے مبعوث فرمایا تھا۔ یہاں پر اتنی گنجائش نہیں کہ مَیں اِس مختصر بیان میں، جو عام لوگوں کی اطلاع اور اللہؑ سے ڈرنے والوں کی ہدایت کے لئے جلدی جلدی قلمبند کیا ہے، وہ تمام نشانات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بحکمِ الٰہی ظاہر ہوئے تھے نقل کروں۔

مسئلۂ حیات و مماتِ مسیح ناصری علیہ السلام، مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق، مماتِ مسیحؑ کا ثبوت، مثیلِ مسیح کی آمد کا عقیدہ

اگرچہ ہمارے زمانہ میں بفضلہٖ تعالیٰ یہ مسئلہ ہر لحاظ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عیسٰی ابنِ مریم مسیح ناصری علیہ السلام جنکے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وُہ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور امّتِ محمدیّہ کی اصلاح کے لئے آسمان سے آخری زمانہ میں اُترینگے در اصل بحکمِ آیۂ شریفہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ (۳: ۱۴۴) اِس دُنیا سے گذر چکے ہیں اور آیۂ شریفہ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ج وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (۴: ۱۵۷ - ۱۵۸) کے مطابق وُہ قتل نہیں ہوئے بلکہ

طبعی موت سے مر چکے ہیں، تاہم مَیں آخر الذکر آیۂ شریفہ کا وہ ترجمہ جو مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ترجمانِ قرآن میں جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے درج فرمایا ہے آپ کے اطمینان کے لئے یہاں پر نقل کئے دیتا ہوں تاکہ آپکو معلوم ہو جائے کہ اِس زمانہ میں آپ کا سب سے بڑا قرآن دان بھی حضرت مسیح ناصری علیہ السّلام کی حیات پر قطعی فیصلہ نہیں دیتا بلکہ اندازِ تحریر سے صاف نظر آرہا ہے کہ مولانا موصوف بھی مماتِ مسیح کے قائل ہیں۔ پہلے مَیں اُن کا وہ نوٹ جو آیاتِ محولہ فوق کے ترجمہ کے ساتھ ہی ہے درج کرتا ہوں۔ اُس کے اُن الفاظ کو از راہِ کرم بغور پڑھئے گا جو بقلمِ جلی لکھے گئے ہیں:

(مولانا ابوالکلام آزاد کا نوٹ)

یہودیوں کی یہ شقاوت کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی دعوت جھٹلائی، اور حضرت مریم علیہا السّلام پر (حضرت مسیحؑ کی پیدائش کی نسبت) بہتان باندھا۔ نیز یہ شقاوت کہ وہ کہتے ہیں، ہم نے حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا۔ حالانکہ نہ تو وہ ہلاک کر سکے، نہ مصلوب کر سکے، **بلکہ حقیقتِ حال اُنپر مشتبہ ہو گئی،** اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ **آیت میں جس اشتباہ کا ذکر ہے،** اُس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت مشتبہ ہو گئی اور اُن کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا **اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی موت مشتبہ ہو گئی۔ وُہ زندہ تھے مگر اُنہیں مردہ سمجھ لیا۔ صدرِ اوّل سے لیکر آجتک جمہور مسلمانوں کا عقیدہ یہی رہا ہے کہ پہلی صورت پیش آئی تھی۔** (ترجمانِ قرآن ص۳۷۵)

مولٰنا موصوف نے اپنے نوٹ میں دو باتیں لکھ کر اور پھر پہلی بات کے متعلق جمہور مسلمانوں کے عقیدہ کو اپنے نوٹ میں امتیازی حیثیت دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اگرچہ جمہور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے مگر دوسری بات بھی ہوسکتی ہے اور دوسری بات کے متعلق خاموش رہ کر "خاموشی نیم رضا" کے بمصداق یہ ثابت کر دیا ہے کہ اُن کا اپنا عقیدہ یہی ہے کہ مسیحؑ خود سولی پر چڑھے مگر موت واقع نہیں ہوئی اور یہودیوں کو اُنؑ کی موت کا شبہ ہُوا اس لئے اُنہوں نے اُنؑ کے جسد کو جلدی تختہ سے علیحدہ کر دیا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ چند روز میں اچھے ہوگئے اور پھر طبعی موت سے مرے۔

(مولٰنا ابوالکلام آزاد کا ترجمہ)

اور نیز اُن کا یہ کہنا کہ ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ کو جو خدا تعؔ کے رسولؑ (ہونے کا دعوےٰ کرتے) تھے، (**سولی پر چڑھا کر**) قتل کر ڈالا۔ حالانکہ (واقعہ یہ ہے کہ) نہ تو اُنہوں نے قتل کیا، اور نہ سولی پر چڑھا کر **ہلاک کیا**۔ بلکہ حقیقت اُنپر مشتبہ ہوگئی (یعنی صورتِ حال ایسی ہوگئی کہ اُنہوں نے سمجھا، ہم نے مسیحؑ کو مصلوب کر دیا، حالانکہ نہیں کر سکے تھے) اور جن لوگوں نے اِس بارہ میں اختلاف کیا (یعنی عیسائیوں نے جو کہتے ہیں مسیحؑ مصلوب ہوئے لیکن اُس کے بعد زندہ ہوگئے) تو بلاشبہ وہ اِسکی نسبت شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اِس بارے میں اُنکے پاس کوئی یقینی بات نہیں، بجز اِس کے کہ ظن وگمان کے پیچھے جائیں۔ اور یقیناً اُنہوں نے عیسٰیؑ کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعؔ نے اُسے اپنی طرف اُٹھا لیا، اور اللہ تعؔ سب پر غالب رہنے والا، اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

اور (دیکھو) اہلِ کتاب میں سے (یعنی یہودیوں میں سے جنہوں نے مسیحؑ سے انکار کیا) کوئی نہ ہوگا جو اپنی موت سے پہلے (حقیقتِ حال پر مطلع نہ ہوجائے۔ اور) اس پر (یعنی مسیحؑ کی صداقت پر) ضرور ہی یقین نہ لے آئے (کیونکہ مرنے کے وقت غفلت وشرارت کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں، اور حقیقت سامنے آجاتی ہے) اور قیامت کے دن وہ (اللہ تعؔ کے حضور) اُن پر شہادت دینے والا ہوگا۔

اِس سے پیشتر ہم اگرچہ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مولٰنا ابوالکلام آزاد بھی درحقیقت مماتِ مسیحؑ کے قائل ہیں مگر یہاں پر اُنکے ترجمہ سے یہ بھی ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ اُن کا عقیدہ اُسی مسیح علیہ السّلام کے دوبارہ آنے کا بھی نہیں بلکہ اُن کا عقیدہ جو اُن کے ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے یہ ہے کہ وہ مثیلِ مسیحؑ کے پیدا ہونے کے قائل ہیں کمالایخفٰی۔ مسیح ناصریؑ کی آمدِ ثانی کے قائل اپنے دعوٰی کے ثبوت میں آیاتِ مترجمۂ فوق کا اِس طرح ترجمہ کرتے ہیں:

اہلِ کتاب میں سے کوئی نہ ہوگا جو عیسٰی علیہ السّلام کی موت سے پہلے اُنؑ پر ضرور ہی ایمان نہ لے آئے۔

دیکھو تفسیرِ حسینی مطبوعۂ محمدی پریس بمبئی صفحہ ۱۶۵ مفسّرِ موصوف حسبِ ذیل الفاظ میں اپنے عقیدۂ نزولِ مسیحِ ناصری کی روشنی میں آیاتِ زیرِ بحث کا ترجمہ کرتا ہے:

(فارسی)

وگفتہ اند اہلِ کتاب ایمان آرند بعیسٰیؑ پیش از مرگِ عیسٰیؑ وآں وقتے بود کہ از آسمان فرود

آید دجال را بکشد وہمہ اہلِ کتاب بدو ایمان آرند یعنی یقین دانند کہ اُو پیغمبر بودہ واُو ایشاں را با سلام دلالت کند و ملل مختلفہ از میانِ مردم برافتد وغیر از ملتِ اسلام ملتے نہ ماند وعیسیٰ حکم بمقتضائے کتاب وسنتِ پیغمبرِ ما عمل کند وچہل سال در زمین بماند آنگہ متوفی شود ومومنان بروے نماز گذارند وروزِ رستخیز باشد عیسیٰ بر ایشاں یعنی بر اہلِ کتاب گواہ یعنی گواہی بدہد بر یہود بہ تکذیب وبر نصاریٰ بآنکہ اورا ابن اللہ گفتہ اند۔

(اُردو ترجمہ)

اور کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُن کی موت سے پہلے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل ایمان لے آئینگے۔ اور وہ اُس وقت جبکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُترے گا اور دجال کو قتل کردے گا اور تمام اہلِ کتاب اُسپر ایمان لے آئینگے یعنی یقین کرلینگے کہ وہ پیغمبر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کتاب کو اسلام کی دعوت دے گا اور دُنیا سے اختلافِ ملل مٹ جائے گا اور ملتِ اسلامیہ کے سوا کوئی ملت دُنیا میں نہیں رہے گی اور عیسیٰ علیہ السلام ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی کتاب اور سنت کے مطابق عمل کرے گا اور زمین پر چالیس برس تک زندہ رہے گا پھر مر جائے گا اور مسلمان اُس کی نمازِ جنازہ پڑھینگے اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کتاب پر گواہ ہوگا یعنی یہودیوں کی تکذیب اور نصاریٰ کی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے کی شہادت خدا تعالیٰ کے سامنے دے گا۔

یہ وہ تفسیر ہے جو تمام مفسرین نے کی ہے مگر مولنا ابوالکلام آزاد نے ایسا نہیں لکھا بلکہ یہ لکھا کہ اہلِ کتاب اپنی موت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئینگے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ وہ جس طرح مماتِ مسیح کے قائل ہیں اُسی طرح نزولِ مسیح کے

بھی مُنکر ہیں اور اُن کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مثیلِ مسیح اُمتِ محمدیہ میں سے پیدا کیا جائے گا۔ والعلم عند اللہ تعالےٰ۔

مسیح موعود کو قبول کرنے سے مسلمانوں کا انکار اور ہماری دُعا۔

اب یہ فیصلہ ہو جانے کے بعد کہ مسیح ناصری علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور یہ کہ اُمتِ محمدیہ میں سے کوئی شخص مسیح کے مثیل کے طور پر پیدا ہوگا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو جن کا یہی دعوٰی ہے اور جنہوں نے مماتِ مسیح کی حقیقت سب سے پہلے دُنیائے اسلام کے سامنے واضح کر کے رکھ دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ مثیلِ مسیح جس کا اُمتِ محمدیہ کو وعدہ دیا گیا تھا مَیں ہی ہوں پھر اپنی صداقت میں نشان بھی پیش کر دیئے ہیں کسی حیل وحجت کے بغیر کیوں نہیں قبول کیا جاتا؟ کیوں معاملہ کو پیچیدہ بنا کر مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے؟ پھر جب یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ آنے والا مسیح نبی اللہ ہوگا اِس مدعیٔ مسیحیت کو کیوں نبی اللہ نہیں تسلیم کیا جاتا؟ یہ ڈھٹائی کیوں ہے؟ یہ خدا تعالیٰ کے مامُور کی تکذیب کر کے خدا تعالیٰ کا کفر کس لئے ہے؟ کیا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؁ (۲:۷) کا حکم خداوندی اُمتِ محمدیہ کے ایک حصہ کے لئے بھی نافذ ہو چکا ہے؟ بہر حال کچھ ہو مَیں تو اِس تکفیر وتکذیب سے بفضلہ تعالیٰ بری ہو چکا ہوں۔ خداوندِ عزّوجلّ آپ کو بھی ہدایت نصیب کرے تاکہ آپ بھی روزِ روشن میں چشمۂ آفتاب سے شپرہ کی طرح محروم نہ رہ جائیں۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

(۳ : ۱۹۴-۱۹۳)

اے ہمارے ربّ! درحقیقت ہم نے داعیؑ الی الایمان کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ لوگو! اپنے ربّ پر ایمان لے آؤ پس ہم تم پر ایمان لے آئے۔ سو اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہمارے بُرے اعمال کو مٹادے اور نیکوں کے زمرہ میں ہمیں موت نصیب کر۔ اے ہمارے ربّ! ہمیں وہ انعام دے جس کا تُو نے رسولوں کے ذریعہ ہمیں وعدہ دیا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رُسوا نہ کر۔ بلاشبہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم

(۴)

مدعی کی صداقت کا اہم نشان، حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تعلیم کا اسلامی تعلیم ہونا اور اُس سے سرِمُو تجاوز نہ کرنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوےٰ کی حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد اگرچہ کوئی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی، تاہم میں آپ کے مزید اطمینان کے لئے اُنؑ کی تعلیم کا خلاصہ یہاں پر نقل کر دیتا ہوں تاکہ آپ اُس کی روشنی میں قبولِ احمدیت کے متعلق کوئی آخری فیصلہ کرسکیں۔

یہ جاننا چاہیئے کہ مدعیؑ کی صداقت کے بڑے بڑے نشانات میں سے ایک اہم نشان یہ بھی ہے کہ اُسؑ کی تعلیم عین اسلامی تعلیم ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ مَیں کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آیا، بلکہ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو ہدایت کرنے کے کام پر مقرر ہو کر آیا ہوں۔ امام بخاریؒ کی روایت کردہ حدیث اماماکم منکم کے حسب منشاء مسلمانوں کا امام بنکر آیا ہوں، مسلمانوں کے سب تفرقے مٹا کر اُنہیں مرکزِ وحید پر اکٹھا کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اہلِ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر حاصل کرنے کی جدوجہد کیلئے آیا ہوں اور اِس لئے مبعوث ہُوا ہوں کہ اسلام پر جسے لوگ بہت حد تک چھوڑ

بیٹھے ہیں مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر قائم کر دوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پر عمل کرنے سے، اسلامی تعلیم پر عامل ہو جانے کی صورت میں ایک بے عمل مسلمان باعمل بن جاتا ہے، غیر احمدی مسلمانوں کی یاس انگیز بے عملی کا صحیح نقشہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ مدعی جھوٹا ہے (نعوذ باللہ منہا) تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور اِسے اپنا امام بنانے سے ایک شخص تمام مذہبی اختلافات سے بری الذمہ ہو کر اسلام کے ہر ایک حکم پر عملاً کاربند ہو جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سو اگر اُس کا دعویٰ غلط بھی ہے اور وُہ جھوٹا ہی ہے تو ایسے جھوٹ پر ہزار جان سے قربان جائیے جو ایک جھوٹے مُسلمان کو سچا مسلمان بنا دیتا ہے۔ بحالاتِ موجودہ آپ کے اِسلام میں بھی تو شک ہے۔ اب آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ اِس حال میں اگر موت آجائے تو وہ بہتر ہے یا خُدا کے چھوٹے بڑے احکام پر عامل ہونے کی حالت میں؟ پھر کون ہے جو اِس زمانہ میں آپ کو آسمانی نشانات دِکھا کر زندہ خُدا کا ڈر آپ کے دِلوں میں پیدا کر دے اور اِس طرح سے آپ کے اخلاق سدھار دے، قرآن کے چھوٹے بڑے احکام پر آپ کو کاربند بنا دے اور آپ کو صالح العمل بنا کر "قانونِ بقائے اصلح" کے مطابق حیاتِ جاودانی کے چشمہ سے سیراب کر کے غلبہ اور حکومت دِلا دے؟ * آپ کے مولوی تو

* شروع میں جب میں نے جمعیتِ اتحاد و ترقی کی بُنیاد رکھی تھی تو وہ بھی اصلاحِ نفس کے جذبات کے ماتحت، مگر انتخاباتِ بلدیہ پشاور کی مہم شروع ہو جانے کی وجہ سے وہ کام پورا نہ ہو سکا۔ بعد ازاں جب مجلسِ خلافت پشاور کا رُکن بنا اور اُنہوں نے مجھے فرانٹیر پراونشل خلافت کمیٹی کا جائنٹ سیکرٹری اور آل انڈیا خلافت کمیٹی کا رُکن منتخب کیا تو مجھے یہی امید تھی کہ یہ ایک (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

غلبہ اور حکومت کے نام سے بھی واقف نہیں۔ آپ کے پیر اور سجادہ نشین تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عملی جماعت ہے، یہاں پر عمل کے لئے بہترین اخلاق اور تعلیمِ اسلامی کی پوری پوری پابندی کی ضرورت ہے، لہٰذا اس میں شرکت سے اپنی اصلاح بھی ہو جائے گی اور مسلمانوں کی اصلاح کا کام بھی آسانی سے ہو سکے گا؛ چنانچہ ڈاکٹر گیلانی صاحب جو فرانٹیر پراونشل خلافت کمیٹی کے سیکرٹری اور آل انڈیا کے رُکن تھے اِس امر کی شہادت دینگے کہ مَیں نے اُنہی کے مشورہ سے خلافت کمیٹی میں شرکت قبول کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے جب میری تصنیف تذکرۂ ضیاء کا مطالعہ فرمایا تو "سیاسی اصلاح سے قبل افرادِ ملت کی اصلاحِ نفس" والے عقیدہ سے اختلاف کے باوجود اُنہوں نے مجھے کہا کہ تمہاری یہ تحریک جمعیت المجاھدین کے قیام سے، جیسا کہ مَیں نے تذکرۂ ضیاء میں تجویز کیا تھا۔ چل نہیں سکتی۔ سرِدست تمہیں ایک ایسی جماعت قائم کرنی چاہیئے جس میں تمہاری اِس تعلیم کے مخالفین بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں، پھر تم اُنہیں اپنی تعلیم کے رنگ سے رنگین کر کے جمعیت المجاھدین کے قیام میں کامیاب ہو سکو گے۔ الغرض مَیں نے اِسی مشورہ پر عمل کرتے ہوئے جمعیتِ اتحاد و ترقی کی بُنیاد رکھی جس میں مختلف العقائد افراد کے سامنے مجھے اپنی تعلیم پیش کرنے اور اُنہیں اپنے رنگ سے رنگین کر کے بالآخر جمعیت المجاھدین قائم کرنے کا موقع مِل سکتا تھا۔ علاوہ ازیں مجلسِ خلافت کے اراکین سے بھی مجھے یہی توقعات تھیں کہ وہ میری تعلیم کو قبول کر لینگے۔ مگر بہترین اخلاق اور تعلیمِ اسلامی کی پوری پوری پابندی تو کیا، وہاں پر اخلاقِ رذیلہ کا مجھے کریہہ منظر دیکھنا پڑا۔ جھوٹ، منافقت اور اسلام کے بُنیادی اصول سے تمسخر وہاں کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ میرے ایک خلافتی دوست، جنہوں نے مجلسِ خلافت کی رُکنیت کے لئے میرا نام پیش کیا تھا، اپنی منافقانہ سرگرمیوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ پسِ پردہ کانگرسی احباب کو گالیاں دینا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

بقولِ علامہ اقبال "وعدۂ حور" سے زیادہ آپ کو اور کچھ دیتے ہی نہیں۔ آپ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اُن کے خلاف ذلیل ترین پروپاغنڈہ کرنا، اُنہیں جابجا رُسوا کرنا اور اُنکے اثر و رسوخ کو ذائل کر کے اپنا اقتدار قائم کرنیکی کوشش کرنا، اُن کی منافقانہ سرگرمیوں کا ایک پہلو تھا، جس کے مقابلہ میں دوسری طرف جب یہ منافقین کا گروہ یعنی خلافتی اور کانگریسی آپس میں ملتے تو بڑے زور و شور سے ایک دوسرے کو السلام علیکم کے دعائیہ کلمات سُناتے۔ میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ ایک طرف تو اُنکی تباہی و بربادی کے لئے دُعائیں کی جاتی ہیں اور دوسری طرف اُنہیں سلامتی کا پیغام سُنایا جاتا ہے، آخر یہ دجل اور منافقت کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ اندریں حالات اصلاحِ نفس کے سلسلہ میں اُن سے کوئی اِمداد مِل سکنا قطعاً غیر ممکن تھا۔

بعض اوقات جب اِن بے عملیوں ہی نہیں بلکہ انتہائی درجہ کی بداعمالیوں کو دیکھ دیکھ کر طبیعت پر بوجھ پڑتا اور سخت روحانی تکلیف ہوتی تو سورۂ فرقان کی اُن آیاتِ بیّنات کے حسبِ منشاء جن میں اللہ تعالیٰ اُن عباد الرحمٰن کی تعریف کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے رو رو کر یہ دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو ہمیں اُن لوگوں کا رہنما اور پیشوا بنا جو تجھ سے ڈرتے ہیں، مَیں بھی یہی خواہش کرتا۔ کما قولہٗ تعالےٰ:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اصلاحی اور سیاسی تحریکات تو جسدِ بے رُوح سے زیادہ اہمیّت ہی نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

(۲۵ : ۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶)

اور جو شخص بہ تقاضائے بشریّت گناہ کرنے کے بعد پشیمان ہوتا، خداؑ کی طرف رجوع کرتا اور نیک کام کرنے لگ جاتا ہے، وہ شخص درحقیقت خداؑ کی طرف صحیح معنٰی میں رجوع کرتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو غلطیوں میں ہمیشہ کے لئے منہمک نہیں ہو جاتے بلکہ اگر وہ بُرائی کے دَور سے گذرتے بھی ہیں تو نہایت خوبی سے گذر جاتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو ارتکابِ گناہ کے بعد جب احکامِ خداوندی کی طرف متوجہ کئے جاتے ہیں تو بہروں اور اندھوں کی طرح اُسی مقام پر نہیں رہ جاتے۔ **اور یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنے ساتھیوں اور آیندہ نسلوں میں سے وہ عطا کر جو اصلاح پذیر ہوتے ہوئے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوں اور اے اللہ! تو ہمیں اُن لوگوں کا رہنما اور پیشوا بنا جو تجھ سے ڈرتے ہیں۔** پس اِنہی لوگوں کو اُن کے پورے پورے ثبات و استقلال کے ساتھ اپنے اعمال کے سلسلہ میں ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے عوض میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلند مقامات عطا ہوتے ہیں۔ اُس مقام پر اُن کا تعریف اور نیکی سے ساتھ ہوتا ہے اور اُسی حالت میں وہ ہمیشہ رہتے ہیں۔ وہ کیا ہی خوب جائے قرار اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔

چنانچہ اِنہی خواہشات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے یعنے مرکزی انجمنِ سعادتِ بخارا و ترکستان، پشاور کی

رکھتیں. اندریں حالات آپ سوچئے کہ اور کیا راہِ عمل ہو سکتی ہے.

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صدارت کا بار اُٹھانا چاہا تھا، مگر وہاں بھی مجھے ایک منافقین کے گروہ سے ہی سابقہ پڑا۔ یہ غالباً وہی زمانہ تھا جبکہ مجھے آل انڈیا مسلم کانفرنس کا رُکن بھی منتخب کیا گیا تھا۔ مگر نہ انجمنِ سعادتِ بخارا و ترکستان اور نہ آل انڈیا مسلم کانفرنس میں مَیںنے اصلاح کی تڑپ کو پایا۔ بلکہ ہر جگہ ذاتی اغراض کے لئے جد و جہد کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مسلم کانفرنس میں تو ایسے لوگ تھے اور اِس وقت بھی شائد ہیں جو پنج ارکانِ اسلام سے بھی واقفیت نہیں رکھتے، اور پھر اسپر طرہ یہ کہ وہ یہ بات فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں گویا کہ یہ ایک خوبی ہے اور بس اُنہی کا حصہ ہے۔ انجمنِ سعادتِ بخارا و ترکستان کے اکثر اراکین کی نظر صرف اُس آٹھ نو لاکھ روپیہ کی رقم پر تھی جو کہ جنابِ عالی سابق امیر صاحبِ بخارا اور ملک التجار حاجی تورہ قل بایُصاحب نے اپنے کسی سابقہ فیصلہ کے مطابق سعادتِ وطن کے نام پر علیحدہ کر رکھی تھی۔ انجمن کے اراکین کا یہ خیال تھا کہ سعادتِ وطن کا روپیہ اِس انجمن کو مِل جائے تاکہ اُس کو آپس میں تقسیم کر لیا جائے۔ مَیںنے اُنہیں بارہا سمجھایا کہ یہ قطعاً غیر ممکن ہے آپ لوگ اُس روپیہ پر نظر نہ رکھیں۔ اوّل تو وہ روپیہ درحقیقت بہت معمولی رقم ہے۔ آپ لوگ جس کام کے لئے اُٹھے ہیں وہ عالمِ اسلام کی اصلاح اور ایک مرکزی حکومت کے قیام کا بنیادی خیال ہے جسکے واسطے آٹھ لاکھ نہیں آٹھ کروڑ نہیں اور آٹھ ارب روپیہ تو کیا اسّی ارب پونڈ بھی کم ہیں۔ اِس وقت اگر آپ کو یہ معمولی رقم مِل بھی جائے تو سوائے اِس کے کیا ہوگا کہ چند احمق بخاری اُسے آپس میں تقسیم کر لینگے؟ اسلام اور عالمِ اسلام کو اُس سے کیا فائدہ؟ مگر میری یہ تمام نصیحتیں بے سود ثابت ہوئیں، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مَیں اُن سے بھی علیحدہ ہو گیا۔

مجلسِ خلافت سے علیحدگی کے بعد جب مَیںنے جمعیت العلماء صوبۂ سرحد کی نظارت قبول کی تو وہاں پر بھی مجھے مولویوں کے فرقۂ ضالّہ سے پالا پڑا۔ پشاور گورنمنٹ ہاؤس میں ایک (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

بہر حال آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی تعلیم کو دیکھیں کہ اُس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پُرانی مسجد کو جب سول سیکرٹیریٹ کی تعمیرات کیلئے گرا دیا گیا اور مَیںنے حکومتِ سرحد کی اِس حرکت کے خلاف احتجاج کیا تو مولویوں کے ایک گروہ نے جو جمعیت العلماء میں میرے ساتھ کام کر رہا تھا گورنمنٹ کی اِس حرکت کو ناجائز قرار دیکر اِسکے خلاف ایک فتویٰ دیا، مگر اُنکے مقابلہ میں ایک دوسرے گروہ نے محض ذاتی اغراض کے پیشِ نظر حکومت کے اِس کام کو جائز ٹھیرایا اور کتبِ فقہ کا ایک فقرہ بے معنی اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کیا۔ تاہم خدا تعالیٰ نے جو ہمارے ساتھ تھا ہمیں فتح دی اور اُن گمراہ مولویوں کو شکست ہوئی۔ مگر اُنہیں اِس رسوائی سے ذرا شرم نہ آئی اور اُنہوں نے اسلام اور عالمِ اسلام کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو اُسی طرح جاری رکھا۔ چنانچہ یہی باتیں دیکھ دیکھ کر بالآخر مَیںنے جمعیت العلماء سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ ہر جگہ اور ہر جماعت میں گمراہی کے سوا جب کچھ بھی نہ تھا، تعلیمِ اسلامی سے جب اِن لوگوں کو دُور کا بھی واسطہ نہ رہا تھا اور وہ لوگ جبکہ روزانہ اسلامی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے اسلام سے عملاً دور ہو رہے تھے تو ایسے حالات میں میرے لئے کیا یہی مناسب تھا کہ مَیں بھی اُنکی طرح گمراہی میں پڑا رہتا اور وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ؀ (۲۵ : ۷۳) کا مصداق بننے کے لئے کوئی کوشش نہ کرتا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی عقلمند انسان مجھے اِس طرح کرنے کا ہرگز مشورہ نہ دیگا، بلکہ یہی کہے گا کہ ہاں، ایسے بد اعمال لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لینے میں تم حق بجانب تھے۔ تم اصلاح چاہتے تھے اور اُن لوگوں کی صحبت تمہارے لئے اصلاح تو کجا مزید خرابئ اخلاق کا باعث ہوتی اور حیاتِ جاودانی اور غلبہ و حکومت کی بجائے وہ لوگ دائمی غلامی اور ابدی موت کے گڑھے میں تمہیں بھی اپنے ساتھ گرا دیتے۔ لہٰذا تم نے صحیح راہِ عمل اختیار کی جو اِن لوگوں کو چھوڑا اور احمدیت کو قبول کر لیا۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

میں کیا چیز اسلام کے خلاف ہے ؟ پھر اگر خداؑ کے اِس سچے رسولؑ کو آپ نے قبول نہ کیا اور اِس حالت میں موت آگئی تو خداؑ کو آپ کیا جواب دینگے ؟ وہؑ آپ کے عقیدوں کا حال آپ سے دریافت نہیں کرے گا۔ وہؑ تو آپ سے آپ کے عمل کا حساب لیگا۔ عقیدہ جو کچھ بھی ہو اِس دُنیا کے لئے ہے مگر اُس جہان کیلئے تو عمل ہے۔ چنانچہ مسیح موعود علیہ السّلام کو قبول نہ کرنے کی صورت میں اِس جہان میں عقیدہ خراب ہوگا تو اُس کے ساتھ ہی اعمالِ صالح سے بھی آپ محروم رہ جائینگے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جہان بھی اِس جہان کی طرح خراب ہوگا۔ پھر اُس وقت آپ کیا کریں گے ؟

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تعلیم۔

اب مَیں ذیل میں حضرتِ مسیح موعود علیہ السّلام کی تعلیم درج کرکے آپ کا معاملہ خداؑ کے حوالہ کرتا ہوں۔ تبلیغ میرا فرض تھا وہ پہنچے کردی اور پہنچوائے وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (۳۶:۱۷) اب مَیں اپنے فرض سے سبکدوش ہوگیا مگر اِس سے یہ نہ سمجھ لیں کہ مَیں آپکے مولویوں کی طرح سبکدوش ہوکر اب خاموش بیٹھ جاؤنگا۔ نہیں بلکہ ابھی تو صرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تم نے خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے یہ وعدہ کیاہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدم سمجھوگے اور اسلام کے ہر چھوٹے بڑے حکم پر کاربند رہوگے۔ تم نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلی ہے اور اب تم یقینی طور پر وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ (۲۵ : ۷۱) کا مصداق بن گئے ہو۔ تمہیں خداوند عزّوجلّ نے اپنے خاص فضل وکرم سے ایک گمراہ قوم کی قیادت کے بارِ گراں سے نجات دلاکر اب اپنے متّقین بندوں کی امامت کیلئے چُن لیا ہے۔ اور تمہاری یہ دُعا کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ (۲۵: ۷۴) اب یقینی طور پر منظور ہوگئی ہے۔

اِس حد تک اور اِسی موقع پر جو میرا فرض تھا وہ ادا ہوا۔ اِس کے بعد موت کے وقت تک اور بہت مواقع ہونگے جبکہ تبلیغ کی جائے گی، اور آپ کے گھروں میں گھُسکر تبلیغ کی جائے گی حتّٰی کہ موت آجائے اور ہم اپنے خداؑ کے حضور میں حاضر ہو جائیں۔ انشاء اللہ۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(۱۴ : ۵۲)

یہ تو لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے تاکہ وہ اِس کے ذریعہ خداؑ سے ڈر جائیں اور اُنہیں معلوم ہوجائے کہ حاکم تو وہی ایک خدائے وحیدؑ ہے اور اِس پیغام سے یہ غرض بھی ہے کہ صاحبِ عقل اِس سے نصیحت حاصل کریں۔

(حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیم)

واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے جب تک دِل کی عزیمت سے اِس (تعلیم) پر پورا پورا عمل نہ ہو (اور وہ تعلیم یہ ہے) کہ وہ یقین کریں کہ اُن کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خداؑ ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہؑ کسی کا بیٹا نہ کوئی اُسؑ کا بیٹا۔ وہؑ دُکھ اُٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہؑ ایسا ہے کہ باوجود دُور ہونے کے نزدیک ہے

اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دُور ہے اور باوجود ایک ہونے کے اُس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے تو اُس کے لئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے اور ایک نئی تجلّی کے ساتھ اُس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ خدا میں بھی کچھ تغیر آجاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمالِ تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلّی سے اُسپر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلّی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خارقِ عادت قدرت اُسی جگہ دِکھلاتا ہے جہاں خارقِ عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے۔ یہ خدا ہے جو ہمارے سِلسلہ کی شرط ہے۔ اُسپر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اپنے کُل تعلّقات پر اُس کو مقدّم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اُسکی راہ میں صدق و وفا دکھلاؤ۔ دُنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اُس کو مقدّم نہیں رکھتی مگر تم اُس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اُسکی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اُس حالت میں اِس عادت سے حصّہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اُس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اُسکی مرضی اور تمہاری خواہشیں اُس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالتِ مرادیابی اور نامرادی میں اُس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا

جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے جو اِسپر عمل کرے اور اُسکی رضا کا طالب ہو جائے اور اُسکی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو؟ سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اُسکی توحید کو زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اُسکے بندوں پر رحم کرو اور اُن پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبّر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر سے بھیڑیے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اُسکی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ اُنکی تحقیر اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے اُن کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُن پر تکبّر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دِل برداشتہ رہو اور اُسی کے ہو جاؤ اور اُسی کے لئے زندگی بسر کرو اور اُس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دِن بسر کیا۔ دُنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو کہ وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں

اور دن کو رات نہیں کر سکتیں بلکہ تم خدا کی **لعنت** سے ڈرو جو آسمان سے نازل ہوتی اور جس پر پڑتی ہے اُسکی دونوں **جہانوں** میں بیخکنی کر جاتی ہے۔ تم ریاکاری کے ساتھ اپنے تئیں بچا نہیں سکتے، کیونکہ **وہ خدا جو تمہارا خدا ہے** اُسکی انسان کے پاتال تک نظر ہے۔ کیا تم اُس کو دھوکا دے سکتے ہو؟ پس تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ۔ اگر ایک ذرہ تیرگی تم میں باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دُور کر دیگی۔ اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریا ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو کہ جو قبول کے لائق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لیکر اپنے تئیں دھوکہ دو کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا کر لیا ہے۔ کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے، اور وہ تم سے ایک **موت** مانگتا ہے جس کے **بعد** وہ تمہیں **زندہ** کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو، کیونکہ شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں، وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو۔ اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اُس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بد قسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے مُنہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر خدا تم سے راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اُس کا مجھ میں

حصہ نہیں۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو کہ وہ قدوس اور غیور ہے۔ بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا، متکبر اُس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا، ظالم اُس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا، خائن اُس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا اور ہر ایک جو اُس کے نام کے لئے غیرتمند نہیں اُس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ جو دنیا پر کتوں یا چیونٹیوں یا گِدوں کی طرح گرتے ہیں اور دُنیا سے آرام یافتہ ہیں وہ اُس کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اُس سے دُور ہے۔ ہر ایک ناپاک دِل اُس سے بے خبر ہے۔ وہ جو اُس کے لئے آگ میں ہے آگ سے نجات دیا جائے گا، وہ جو اُس کے لئے روتا ہے وہ ہنسے گا، وہ جو اُس کے لئے دُنیا سے توڑتا ہے وہ اُس کو ملے گا۔ تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو تا وہ بھی تمہارا دوست بن جائے۔ تم **ماتحتوں** پر اور اپنی **بیویوں** پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر رحم ہو۔ تم سچ مچ اُس کے ہو جاؤ تا وہ بھی تمہارا ہو جاوے۔ دنیا ہزاروں بلاؤں کی جگہ ہے جن میں سے ایک **طاعون** بھی ہے سو تم خدا سے صدق کے ساتھ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائیں تم سے دُور رکھے۔ کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دُور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو، سو تمہاری عقلمندی اِسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہیں دوا اور تدبیر سے ممانعت نہیں مگر اُن پر **بھروسہ** کرنے سے ممانعت ہے، اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا۔ اگر کوئی طاقت رکھے تو توکل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑھ کر ہے اور تمہارے لئے ایک **ضروری** تعلیم یہ ہے کہ **قرآن شریف** کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اِسی میں زندگی ہے جو

لوگ قرآن کو عزت دینگے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث
اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔
نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی **کتاب نہیں مگر قرآن**۔ اور تمام
آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد
مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اُس جاہ و جلال کے
نبیؐ کے ساتھ رکھو اور **اُسکے غیر کو اُسپر کسی نوع کی بڑائی مت دو**
تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنیکے بعد
ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے جو اسی دُنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ **نجات**
یافتہ کون ہے؟ **وہ** جو یقین رکھتا ہے کہ **خدا** سچ ہے اور **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم
اُس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی **شفیع** ہے **اور آسمان کے نیچے نہ اُس**
کے ہم رتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ **قرآن کے ہم رتبہ کوئی**
اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر
یہ برگزیدہ نبیؐ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ اور اُس کے ہمیشہ زندہ
رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اُس کے افاضہ تشریعی اور روحانی
کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اُسکی روحانی فیض رسانی سے اِس **مسیح موعود**
کو دُنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی **تکمیل** کے لئے ضروری تھا کیونکہ
ضرور تھا کہ دُنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ
کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ
کرتی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

موسٰی نے وہ متاع پائی جسکو قرونِ اُولٰی کھو چکے تھے اور حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ
وسلم نے وہ متاع پائی جسکو موسٰی کا سلسلہ کھو چکا تھا۔

سو اے **وے تمام لوگو**! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے
ہو آسمان پر تم اُس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ **تقوےٰ**
کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ **نمازوں** کو ایسے خوف اور حضور سے
ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالےٰ کو دیکھتے ہو۔ اور اپنے **روزوں** کو خدا کے لئے
صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ **زکوٰۃ** دے۔ اور
جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ **حج** کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو
اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا
جو تقوٰی سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی جڑ **تقوٰی** ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں
ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا
بھی امتحان ہو، جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو **خبردار** رہو ایسا نہ
ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے **پختہ**
تعلّق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے نہ دشمن
کے ہاتھوں۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال
عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اُس کو مت چھوڑو۔ اور ضرور ہے کہ تم دُکھ دیئے
جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر
مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اُسکی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔
اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش

رہو اور گالیاں سُنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ ہر ایک جو تم میں سُست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے اگرچہ سب اُسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اُس شخص کو چُن لیتا ہے جو اُس کو چُنتا ہے وہ اُس کے پاس آجاتا ہے جو اُس کے پاس جاتا ہے۔ جو اُس کو عزت دیتا ہے وہ بھی اُس کو عزت دیتا ہے۔ تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اُسکی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔ عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ **خدا ایک** اور **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم اُس کا **نبی** ہے اور وہ **خاتم الانبیاء** ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اُس کے کوئی **نبی نہیں** مگر وہی جس پر **بروزی** طور سے **محمدیت** کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جُدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جُدا ہے۔

اِن سب باتوں کے بعد پھر مَیں کہتا ہوں کہ یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اُسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا۔ دیکھو میں یہ کہکر **فرضِ تبلیغ** سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ **گناہ ایک زہر ہے** اُس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اُس سے بچو۔ دُعا کرو تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دُعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا۔ بجُز وعدہ کی مستثنیات کے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

چاہیئے کہ اِس دُنیا کے فلسفیوں کی پیروی مت کرو اور اُن کو عزت کی نگاہ سے مت دیکھو کہ یہ سب نادانیاں ہیں سچا فلسفہ وہ ہے جو خدا نے تمہیں اپنے **کلام** قرآن میں سکھلایا ہے۔ **ہلاک** ہو گئے وہ لوگ جو اِس دنیاوی فلسفہ کے عاشق ہیں اور **کامیاب** ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی **کتاب** میں ڈھونڈا۔ پس مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کے لئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سو تم کوشش کرو کہ **ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآنِ شریف** کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اُسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ۔ کیونکہ ایک ذرّہ بدی کا بھی قابلِ پاداش ہے۔ وقت تھوڑا ہے اور کارِ عمر ناپیدا کنار۔ تیز قدم اُٹھاؤ کہ شام نزدیک ہے جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے اور زیانکاری کا موجب ہو یا سب گندی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو۔

مَیں نے سُنا ہے کہ بعض حدیث کو بکلی نہیں مانتے۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ میری یہ تعلیم نہیں بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے **اوّل قرآن** ہے۔ سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاؤ۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سَو حکموں میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ

سے اپنے اوپر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اُس کے ظلّ تھے۔ سو تم قرآن کو تدبّر سے پڑھو اور اُس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذّب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطۂ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ **قرآن** وہ کتاب ہے جسکے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔ انجیل کے لانے والا وہ روح القدس تھا جو کبوتر کی شکل پر ظاہر ہُوا جو ایک ضعیف اور کمزور جانور ہے جسکو بلّی بھی پکڑ سکتی ہے۔ مگر قرآن کا رُوح القدس اُس عظیم الشّان شکل میں ظاہر ہُوا تھا جس نے زمین سے لیکر آسمان تک اپنے وجود سے تمام ارض و سما کو بھر دیا تھا۔ پس کجا وہ کبوتر اور کجا یہ تجلّیِ عظیم جس کا قرآنِ شریف میں بھی ذکر ہے۔ قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے اگر صُوری یا معنوی اعراض نہ ہو قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم خود اُس سے نہ بھاگو۔

دُوسرا ذریعہ ہدایت کا جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے **سنّت** ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی کارروائیاں جو آپ نے قرآنِ شریف کے احکام کی تشریح کے لئے کر کے دکھلائیں۔ مثلاً نماز پڑھ کے دِکھلائی کہ یوں نماز چاہیئے اور روزہ رکھ کر دکھلایا کہ یُوں روزہ چاہیئے۔ اِس کا نام سنّت ہے یعنی روشِ نبوی جو آپؐ خدا کے قول کو فعل کے رنگ میں دکھلاتے رہے۔ یہ دھوکہ نہ لگے کہ سنّت اور حدیث ایک چیز ہے، کیونکہ حدیث تو سو ڈیڑھ سو برس کے بعد جمع

لی تھی کہ سنت کا قرآن شریف کے ساتھ ہی وجود تھا مسلمانوں پر قرآن شریف کے
بعد بڑا احسان سنت کا ہے۔ خداتعالیٰ اور رسول کی ذمہ داری کا فرض صرف دو امر تھے
اور وہ یہ کہ خداتعالیٰ نے قرآن کو نازل کر کے مخلوقات کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشاء
سے اطلاع دی جو کہ قانونِ خداتعالیٰ کا فرض تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
یہ فرض تھا کہ خداتعالیٰ کے کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگوں کو سمجھا دیں۔ پس
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتنی باتیں کردنی کے پیرایہ میں دکھلا دیں اور
اپنی سنت یعنی عملی کارروائی سے مشکلاتِ مسائل کو حل کر دیا۔ یہ کہنا بیجا ہے
کہ یہ حل کرنا حدیث پر موقوف تھا کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام
زمین پر قائم ہو چکا تھا۔ کیا جب تک حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں لوگ نماز نہ
پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہ دیتے تھے یا حج نہ کرتے تھے یا حلال و حرام سے واقف
نہ تھے؟ ہاں تیسرا ذریعہ ہدایت کا **حدیث** ہے کیونکہ بہت سے اسلام
کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھولکر بیان کرتی ہیں۔ اور نیز
بڑا فائدہ حدیث کا یہ ہے کہ وہ قرآن اور سنت کی خادم ہے۔ جن لوگوں کو ادبِ
قرآن نہیں دیا گیا وہ اس موقع پر حدیث کو **قاضیٔ قرآن** کہتے ہیں مگر ہم حدیث
کو خادمِ قرآن و سنت قرار دیتے ہیں (اہلِ حدیث فعلِ رسول اور قولِ رسول دونوں
کا نام حدیث ہی رکھتے ہیں۔ ہمیں اُنکی اصطلاح سے کچھ غرض نہیں۔ دراصل سنت الگ ہے
جسکی اشاعت کا اہتمام خود آنحضرتؐ نے بذاتِ خود فرمایا اور حدیث الگ ہے جو بعد میں
جمع ہوئی منہ) قرآن خداتعالیٰ کا **قول** ہے اور سنت رسول اللہ صلعم کا **فعل** اور حدیث
سنت کے لئے ایک تائیدی گواہ ہے۔ پس حدیث کی قدر نہ کرنا گویا اسلام کا

لی تھی کہ سنّت کا قرآنِ شریف کے ساتھ ہی وجود تھا۔ مسلمانوں پر قرآنِ شریف کے
بعد بڑا احسان سنّت کا ہے۔ خدا تعالیٰ اور رسُول کی ذمہ داری کا فرض صرف دو امر تھے
اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو نازل کر کے مخلوقات کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشاء
سے اطلاع دی جو کہ قانونِ خدا تعالیٰ کا فرض تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
یہ فرض تھا کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگوں کو سمجھا دیں۔ پس
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتنی باتیں کردنی کے پیرایہ میں دکھلا دیں اور
اپنی سنّت یعنی عملی کارروائی سے مشکلاتِ مسائل کو حل کر دیا۔ یہ کہنا بیجا ہے
کہ یہ حل کرنا حدیث پر موقوف تھا کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام
زمین پر قائم ہو چکا تھا۔ کیا جب تک حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں لوگ نماز نہ
پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہ دیتے تھے یا حج نہ کرتے تھے یا حلال و حرام سے واقف
نہ تھے؟ ہاں تیسرا ذریعہ ہدایت کا **حدیث** ہے کیونکہ بہت سے اسلام
کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھولکر بیان کرتی ہیں۔ اور نیز
بڑا فائدہ حدیث کا یہ ہے کہ وہ قرآن اور سنّت کی خادم ہے۔ جن لوگوں کو ادبِ
قرآن نہیں دیا گیا وہ اس موقع پر حدیث کو **قاضیُ قرآن** کہتے ہیں مگر ہم حدیث
کو خادمِ قرآن و سنّت قرار دیتے ہیں (اہلِ حدیث فعلِ رسُول اور قولِ رسُول دونوں
کا نام حدیث ہی رکھتے ہیں۔ ہمیں اُنکی اصطلاح سے کچھ غرض نہیں۔ دراصل سنّت الگ ہے
جسکی اشاعت کا اہتمام خود آنحضرتؐ نے بذاتِ خود فرمایا اور حدیث الگ ہے جو بعد میں
جمع ہوئی۔ منہ) قرآن خدا تعالیٰ کا **قول** ہے اور سنّت رسول اللہ صلعم کا **فعل** اور حدیث
سنّت کے لئے ایک تائیدی گواہ ہے۔ پس حدیث کی قدر نہ کرنا گویا اسلام کا

ایک عضو کاٹ دیتا ہے۔ ہاں اگر ایک ایسی حدیث ہو جو قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کے نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے یا مثلاً ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ اُسکے قبول کرنے سے قرآن کو اور اُن تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں رد کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال احادیث کی قدر کرو، اُن سے فائدہ اُٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور جب تک قرآن و سنت اُنکی تکذیب نہ کرے تم بھی اُنکی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہیئے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو اور نہ ترک فعل مگر اُسکی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو۔ اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بھی ہو بشرطیکہ وہ قرآن اور سنت اور ایسی احادیث کے مخالف نہیں جو قرآن کے موافق ہیں تو اُس حدیث پر عمل کرو۔ لیکن بڑی احتیاط سے حدیثوں پر عمل کرنا چاہیئے، کیونکہ بہت سی احادیث موضوعہ بھی ہیں جنہوں نے اسلام میں فتنہ ڈالا ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لئے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے۔ ایسا ہی مسلم اور دوسری احادیث کی کتابیں بہت سے معارف اور مسائل کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اور اِس احتیاط سے اُنپر عمل واجب ہے کہ کوئی مضمون ایسا نہ ہو جو قرآن اور سنت اور اُن احادیث سے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہیں۔

اے امیرو اور بادشاہو! اور دولتمندو!! آپ لوگوں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اُسکی تمام راہوں میں راستباز ہیں۔

ہر ایک امیر جو نماز نہیں پڑھتا اور خدا تعالیٰ سے لاپروا ہے۔ اُس کے تمام نوکروں چاکروں کا گناہ اُسکی گردن پر ہے۔ ہر ایک امیر جو شراب پیتا ہے اُسکی گردن پر اُن لوگوں کا بھی گناہ ہے جو اُس کے ماتحت ہو کر شراب میں شریک ہیں۔ اے عقلمندو! یہ دنیا ہمیشہ کی جگہ نہیں۔ تم سنبھل جاؤ، تم ہر ایک بے اعتدالی کو چھوڑ دو، ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو۔ انسان کو تباہ کرنے والی صرف شراب ہی نہیں بلکہ افیون، گانجہ، چرس، بھنگ، تاڑی اور ہر ایک نشہ کی چیز جو ہمیشہ کیلئے عادت کیا جاتا ہے وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے، سو تم اِس سے بچو۔ پرہیزگار انسان بن جاؤ تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا تعالیٰ سے برکت پاؤ۔ حد سے زیادہ عیاشی میں بسر کرنا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ بدخلق اور بے مہر ہونا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ خدا تعالیٰ یا اُسکے بندوں کی ہمدردی سے لاپروا ہونا لعنتی زندگی ہے۔ ہر ایک امیر خدا تعالیٰ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق سے ایسا ہی پوچھا جائے گا جیسا کہ ایک فقیر بلکہ اُس سے زیادہ۔ پس کیا بدقسمت وہ شخص ہے جو اِس مختصر زندگی پر بھروسہ کرکے بکلی خدا سے مُنہ پھیر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حرام کو ایسی بیباکی سے استعمال کرتا ہے کہ گویا وہ حرام اُس کیلئے حلال ہے۔ غصہ کی حالت میں دیوانوں کی طرح کسی کو گالیاں دینے کسی کو زخمی کسی کو قتل کرنے کیلئے طیار ہو جاتا ہے اور شہوات کے جوش میں بے حیائی کے طریقوں کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے، سو وہ سچی خوشحالی کو نہیں پائے گا یہاں تک کہ مریگا۔ اے عزیزو! تم تھوڑے دنوں کیلئے دنیا میں آئے ہو، سو خدا تعالیٰ کی طرف آجاؤ اور ہر ایک مخالفت اُسکی چھوڑ دو اور اُسکے فرائض میں سستی نہ کرو اور اُس کے بندوں پر زبان سے یا ہاتھ

سے ظلم مت کرو اور آسمانی قہر اور غضب سے ڈرتے رہو کہ یہی نجات کی راہ ہے۔

اے عورتو! تقویٰ اختیار کرو۔ دنیا سے اور اُسکی زینت سے بہت دل مت لگاؤ۔ قومی فخر مت کرو۔ کسی عورت سے ٹھٹھا ہنسی مت کرو۔ خاوندوں سے وہ تقاضے مت کرو جو اُنکی حیثیت سے باہر ہیں۔ کوشش کرو کہ تا تم معصوم اور پاک دل ہونیکی حالت میں قبروں میں داخل ہو۔ خدا تعالیٰ کے فرائض نماز زکوٰۃ وغیرہ میں سستی مت کرو۔ اپنے خاوندوں کی دل و جان سے مطیع رہو۔ بہت سا حصّہ اُنکی عزّت کا تمہارے ہاتھ میں ہے سو تم اپنی اِس ذمہ داری کو ایسی عمدگی سے ادا کرو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک صالحات میں گنی جاؤ۔ اسراف نہ کرو اور خاوندوں کے مالوں کو بیجا طور پر خرچ نہ کرو۔ خیانت نہ کرو، چوری نہ کرو، گلہ نہ کرو۔ ایک عورت دوسری عورت یا مرد پر بہتان نہ لگاوے۔

یہ تمام نصائح جو ہم لکھ چکے ہیں اِس غرض سے ہیں کہ تا ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے خوف میں ترقی کرے۔ سو تم کوشش کرو کہ خدا تعالیٰ کے پیارے ہو جاؤ تا تم ہر ایک آفت سے بچائے جاؤ۔ تم اپنے وہ نمونے دکھلاؤ جو فرشتے بھی آسمان پر تمہارے صدق و صفا سے حیران ہو جائیں۔ تم ایک موت اختیار کرو تا تمہیں زندگی ملے اور تم نفسانی جوشوں سے اپنے اندر کو خالی کرو تا خدا تعالیٰ اُس میں اُترے۔ ایک طرف سے پختہ طور پر قطع کرو۔ اور ایک طرف سے کامل تعلق پیدا کرو۔ **خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔** اب میں ختم کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ یہ تعلیم میری تمہارے لئے مفید ہو اور تمہارے اندر ایسی تبدیلی پیدا ہو کہ زمین کے تم ستارے بنجاؤ اور زمین اُس نور سے روشن ہو جو تمہارے ربّ سے تمہیں ملے۔ آمین ثم آمین۔

(کشتی نوح)

عالمِ اسلام کو دعوتِ عمل

(۵)

گذشتہ ابواب میں احمدیّت کی حقیقت آپ پر واضح کر کے حجّت پوری کر دی گئی ہے۔ اب خدا تعالیٰ کے سامنے جس دن آپ حاضر ہونگے تو وہ آپ سے دریافت کرے گا کہ تمہیں اطلاع تو مل گئی تھی پھر تم نے کیوں میرے نبیؑ کو قبول نہ کیا؟ تم کیوں اپنی چند روزہ زندگی کے جھمیلوں میں مست رہے اور سیدھی راہ تم نے اختیار نہ کی؟ تم میں سے بعض پنجوقتہ نمازیں بھی ادا کرتے تھے اور ہر رکعت میں ایک دفعہ مجھ سے دعا مانگتے تھے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (۱:۵) یعنی ہمیں سیدھی راہ دکھا، مگر جب میں نے اپنی سنّت کے مطابق اپنے رسولؑ کے ذریعہ تمہیں سیدھی راہ دکھا دی تو تم نے کیوں اُس کی دعوت کو ٹھکرا دیا؟ تم نے کیوں یہودیوں کی طرح میرے رسولؑ پر نکتہ چینی کی اور میرے نشانات کو جھٹلا کر من گھڑت

احمد نبی اللہ کو قبول نہ کرنے کی صورت میں یہودی صفت مسلمانوں سے بھی خدا تعالیٰ اسی طرح مؤاخذہ کریگا جس طرح اُن یہودیوں سے جنہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو قبول نہیں کیا اور اُن عیسائیوں سے جنہوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کیا باز پرس کے طور پر کیا جائے گا، اُسوقت احمدیوں کی برات کا بیّن ثبوت۔

نشانیوں کو اُس میں تلاش کرتے رہے ؟ تم نے کیوں احمد نبی اللہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو یہودیوں نے میرے پیارے رسولؑ عیسیٰ رُوح اللہ کے ساتھ کیا تھا ؟ * تم کیوں احمد نبی اللہ کو اُسی طرح فریبی، جھوٹا، نفس پرست، بندۂ حرص و آز اور دغاباز کہتے رہے (نعوذ باللہ منہما) جس طرح عیسائی کمال نادانی سے سیّد المرسلین خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگاتے تھے کہ اُس نے نو بیویاں کی ہیں وُہ شہوت پرست ہے وُہ جھوٹا ہے کیونکہ لوگوں کو جنّت کے جھوٹے وعدہ دیتا رہتا ہے، وُہ دولت جمع کرنا چاہتا ہے کیونکہ اُس نے لوگوں پر زکوٰۃ کے نام سے ٹیکس لگا دیا ہے اور مالِ غنیمت کا بھی پانچواں حصّہ خود لیتا ہے، جیسا کہ قرآن میں لکھا ہے، ——

* حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعویٰ نبوّت کیا تو یہودی علماء کہنے لگے بھلا ایلیا نبیؑ کے آسمان سے اُترنے سے پہلے تم کس طرح پیدا ہو گئے ؟ تم جھوٹے ہو، تم ولدالزنا ہو (نعوذ باللہ منہما) مسیحؑ کی آمد کے نشانات ابھی پورے ہی نہیں ہوئے پھر تم کس طرح جھوٹا دعویٰ کرتے ہو ؟ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بھی ننگِ اسلام مولوی آجکل یہی کہتے ہیں کہ مسیحؑ تو آسمان سے اُترنے والا تھا تم کس طرح قادیان کے رہنے والے مدعیٔ مسیحیت ہو گئے ؟ مسیحؑ تو دمشق کے منارۃ البیضاء کے پاس آسمان سے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے زرد لباس میں نازل ہوگا۔ الغرض یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ ہاں درست ہے، ایلیا نبیؑ کے نزول کے بعد میرا آنا مقدر تھا سو ایلیا بھی تو آچکا ہے اور وہ یحییٰؑ نبی ہے۔ مگر یہود نے اُسی طرح یہ تاویل قبول نہ کی جس طرح آج ننگِ اسلام مولوی مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تاویل قبول نہیں کرتے کہ منارۃ البیضاءٗ دمشق سے مُراد قادیان ہی ہے اور دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں وغیرہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں اِسکی پوری تشریح موجود ہے یہاں پر اُسے دُہرانا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ حق کے متلاشی کو چاہیئے کہ وہ تصانیفِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مطالعہ کرے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ * (۸:۴۱)۔ وُہ سفّاک ہے کیونکہ اُس نے نہایت بیرحمی سے ایک دن کے اندر بنو قریظہ کے چھ سات سو یہودیوں کو جو اُس کے سامنے ہتھیار ڈال چکے تھے اور اپنی مرضی سے اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر کے گویا اُس کے پاس بحیثیتِ قیدی تھے مدینہ کے بازار میں قتل کرا دیا وغیرہ وغیرہم ؟ (العیاذُ باللہ) اُس وقت، بتایئے، آپ خداوندِ عزّ وجلّ کو کیا جواب دینگے ؟ مگر یاد رکھئے اُس وقت ہم اُسی طرح بَری ہونگے جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک منکرِ خداؔ کے سامنے اپنی برات ثابت کی تھی۔ آپؓ نے فرمایا تھا کہ ہم تو ہر

* اور (مسلمانو! یہ) جان رکھو کہ جو چیز (مالِ غنیمت کے طور پر) تمہیں ہاتھ آتی ہے اُس کا پانچواں حصّہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور (یہ بھی سمجھ لو کہ یہ حکم کہ ہر اُس چیز کو جو مالِ غنیمت کے طور پر جنگ میں حاصل ہو اللہ تعالیٰ کے) رسُول کے لئے اور (اُس کے) اقربا اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے (برابر کے پانچ حصص پر) تقسیم کر دیا جائے اِسی بنا پر نافذ کیا گیا ہے) اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہو اور اِس (حکم) پر (بھی تمہارا ایمان ہے) جو ہم نے اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر فرق پیدا کرنے والے دن (یعنی بدر میں) دو فریقوں کے ملنے والے روز نازل کیا (تھا تو جان رکھو کہ تمہیں ایسا ہی کرنا ہوگا) اور (یہ بھی خیال رہے کہ) اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر (پوری پوری) قدرت حاصل ہے (لہذا اگر تم نے اُس تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو یہ سمجھ رکھو کہ جس طرح اُس تعالیٰ نے جنگِ بدر میں اہلِ مکّہ کو تم سے مرعوب کر کے مغلوب کر دیا تھا اسی طرح وُہ اب تمہارا رعب اُن کے دلوں سے نکالکر بخلاف اِس کے اُن کا رُعب تمہارے قلوب پر طاری کر دے گا چنانچہ وہ تمہارے ضعف اور ناتوانی کی حقیقت کو معلوم کر کے تم پر ٹوٹ پڑینگے اور تمہیں مغلوب کر کے تمہارا استیناس کر دینگے۔

صورت میں مامون ہیں۔ اگر خدا ہؤا تو یقیناً ہمیں جنات اور باغات ملینگے، اور اگر خدا نہ ہؤا تو بھی ہمارا کیا نقصان ہے۔ مرنا تو بہر حال ہے۔ اگر تعلیم اسلام کے خلاف زنا کریں، شراب پیئیں یا اور بُرے اعمال کریں تو اِس دنیا میں اُس کا بُرا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے اور یہ کہ صحت خراب ہوتی ہے اور عمر گھٹتی ہے۔ مگر اِس کے خلاف جو نیک عمل کرینگے مثلاً سچ کہینگے، حرام نہ کھائینگے وغیرہ تو اِس جہان میں ہی عزت پائیں گے۔ الغرض ہمیں دونوں صورتوں میں فائدہ ہے۔ مگر تم، اے خدا کے منکرو! یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری رائے کے خلاف خدا ہؤا تو کیا کرو گے؟ یہی کیفیت احمدیوں کی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ صحیح ہے تو بہر حال نعمائے آلہی سے دونوں جہانوں میں سرفراز ہونگے اور اگر آپ کا دعویٰ غلط ہؤا (نعوذ باللہ منہا) تو پھر بھی "قانونِ بقائے اصلح" کے مطابق اِس جہان میں غلبہ اور حکومت ملیگی اور پھر اگلے جہان میں بھی اعمالِ صالح کا ضرور اجر ملے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، قرآن کا عشق اور خدماتِ اسلام کا جذبہ ایسے امور ہیں کہ خدا انہیں بندہ کا احسان سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ کیوں غم کھاتے ہو هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ؟ اور پھر تم خود بھی تو اِس کے قائل ہو اور تمہارے مفسرین بھی تو یہ لکھتے آئے ہیں کہ فرعون کے دربار میں ایک شخص تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل بنایا کرتا تھا چنانچہ خدا نے اُسے اِس لئے بخش دیا کہ وہ اُنکے برگزیدہ نبی کیطرح حرکتیں کیا کرتا تھا۔ پس اگر فرعون کا درباری محض نقل کی وجہ سے بخشا جائے گا تو اتنے مسلمان تبلیغِ اسلام اور اعمالِ صالح کی وجہ سے کیوں نہ بخشے جائینگے؟ مگر وہ لوگ جو اِس جماعت میں شریک نہیں ہوتے اور اِس طرح عملِ صالح کے لئے

مجبور نہیں ہو جاتے جس طرح ایک احمدی مجبور ہو جاتا ہے تو وہ نیک کام نہ کرنے کے باوجود کیا محض عقیدہ کی وجہ سے بُرے اعمال کے ہوتے ہوئے بھی بخش دیئے جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ خدا ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ ورنہ اپنے کسی مولوی ہی سے پوچھ دیکھئے۔

مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کا نام جماعتِ احمدیہ کیوں رکھا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اگرچہ ایک شخص خود بخود بہ لحاظِ اعمال نام نہاد مسلمانوں سے ممتاز ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بیخوف و خطر جہاد کرتا ہے، تبلیغِ اسلام کے لئے جان و مال قربان کرتا ہے، ایک امیر کے حکم کا پابند ہو جاتا ہے، اُس میں مذہبی عشق کی وجہ سے اطاعتِ امیر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ اعمالِ بد سے حتی المقدور اجتناب کرتا ہے، وہ سید المرسلین و خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں فنا ہو جاتا ہے، وہ ایک نظم اور ایک سلک میں پرو دیا جاتا ہے، اپنے اردگرد بنی نوعِ انسان کے ہمدردوں کا ایک جمگھٹا دیکھ کر اُس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے، وہ اگر غریب ہو تو عشقِ محمدی کی غیر فانی دولت کو اِس فانی دنیا کے مال و جاہ پر تفوق دیتے ہوئے کسی مالدار سے حسد نہیں کرتا بلکہ اپنے مالدار بھائی سے بھی اُلفت و محبت کرتا ہے کیونکہ وہ اُسے بھی عشقِ محمدی کی دولت سے مالا مال پاتا ہے اور اگر وہ دولتمند ہو تو اِس فانی مال و منال کو دولتِ عشقِ محمدی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہوئے کسی غریب سے نفرت نہیں کرتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلامی مساوات اُن میں سے ہر ایک میں بدرجۂ اتم پیدا ہو جاتی ہے اور

سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدائے وحید سے اس طرح ڈرتا ہے کہ جس طرح خدا سے نہ ڈرنے والا عام مسلمان کسی تحصیلدار یا ڈپٹی کمشنر کا خوف دل میں رکھتا ہے، تاہم بمضمون وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط (۴۹ : ۱۳) * ظاہری امتیاز کی غرض سے بھی خداپرستوں کے اس گروہ کو جو روحانی طور پر ایک جسم بن چکا ہے تعارف اور پہچان کے لئے جماعتِ احمدیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ نام حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام کے ذاتی نام پر نہیں بلکہ خاتم النّبیّین سید المرسلین حضرت محمد مصطفٰے احمدِ مجتبٰی صلے اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی سے خاص تعلق اور رابطہ کی بنا پر تجویز کیا گیا تھا۔** مگر جونہی اس آسمانی جماعت کو غلبہ حاصل

* اور ہم نے تمہیں (مختلف) اقوام اور (مختلف) قبائل (کی صورت میں تقسیم) کر دیا ہے تاکہ تم (جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو اُنکے شخصی ناموں سے شناخت کرتے ہو اسی طرح مختلف قطعاتِ زمین پر بسنے والے ہمجنسوں کو اُن کے قومی اور خاندانی ناموں سے) شناخت کر سکو۔

** یہ خیال رہے کہ ۱۹۰۰ء کے آخیر تک مسیح موعود علیہ السلام نے اُس جماعتِ مومنین کا جنہوں نے اُس برگزیدہ نبیؑ کو قبول کر کے اُس کے ہاتھ پر اپنے تمام گناہوں سے توبہ اور آیندہ اسلام کے ہر چھوٹے بڑے حکم پر عملاً کاربند رہنے کی بیعت کر لی تھی کوئی علیحدہ نام نہیں رکھا تھا مگر نومبر ۱۹۰۰ء میں جب حکومتِ ہند نے مردم شماری شروع کی تو اُس ضرورت کے پیشِ نظر اُنہوں نے اس ممتاز جماعت کا خاص نام مقرر کر کے ایک اشتہار مورخہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء کے ذریعہ اس امر کا عام اعلان کر دیا۔ چنانچہ ہم وہ اعلان یہاں پر درج کر دیتے ہیں تاکہ معاملہ فہمی میں ایک حق کے متلاشی کو آسانی ہو۔ وہو ہذا :

(اشتہار واجب الاظہار)

چونکہ اب مردم شماری کی تقریب پر سرکاری طور پر اس بات کا التزام (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

ہوگیا خواہ بلحاظِ اعداد و شمار یا بلحاظِ شوکت تو صرف لفظِ مسلمان اس جماعت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیا گیا ہے کہ جس نام کو اس فرقہ نے اپنے لئے تجویز کیا ہے وہی نام سرکاری کاغذات میں اُس کا لکھا جائے۔ اس لئے قرینِ مصلحت سمجھا گیا ہے کہ اپنی جماعت کو ہدایت کی جائے کہ وہ مندرجہ ذیل اپنا نام لکھوائے۔ وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزون ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں **مسلمان فرقۂ احمدیہ** ہے۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہمارے **نبی** صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے ایک **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم دوسرا **احمد** صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسمِ محمد جلالی نام تھا اور اُس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دینگے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسمِ احمد جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائینگے۔ سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسمِ **احمد** کا ظہور تھا اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسمِ **محمد** کا ظہور ہوا اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسمِ احمد ظہور کرے گا اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئینگی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام **فرقۂ احمدیہ** رکھا جائے تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے اور جنگ اور لڑائی سے اس فرقہ کو کوئی سروکار نہیں۔

تعارف کے لئے کافی ہوگا کیونکہ باقی مسلمان کہلانے والی جماعتیں اُس وقت یا تو اپنی موت آپ مرچکی ہونگی یا وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس قدر گمنام ہوگئی ہونگی کہ بھیل اور گونڈ سے زیادہ اُنکی کوئی شہرت نہ ہوگی۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ فَتَدَبَّرُوْا يَا اُولِي الْاَلْبَابِ۔

امام زمان سے بیعت کرنے کے شرائط

صالحین کی اِس جماعت سے، جنکی بنیاد تقوٰی اور خوفِ خدا تعالیٰ پر ہے منتعلق ہونے اور اِس نظام میں داخل ہونے کے لئے محض تقوٰی اور خوفِ خدا تعالیٰ کی بنا پر نہ کسی رسم اور رواج کی وجہ سے امامِ وقت ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ساتھ اقرار کرنا لازمی ہوتا ہے جس کا دوسرا نام بیعت ہے۔ چنانچہ آپ کی اطلاع کے لئے اُس کے شرائط بھی یہاں نقل کئے دیتا ہوں تاکہ آپ دیکھ لیں کہ وہ کس قدر کڑی اور سخت شرائط ہیں، پھر یہ کہ اپنی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ تمام وہی شرائط ہیں جنپر رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم لوگوں سے بیعت لیا کرتے تھے:

(شرائطِ بیعت)

اوّل بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اِس بات کا کرے کہ آیندہ اُس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم یہ کہ **جھوٹ** اور **زنا** اور **بدنظری** اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکمِ خدا تعالیٰ اور رسُول کے ادا کرتا رہیگا اور حتی الوسع

نمازِ تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کریگا اور دلی محبّت سے خدا تعالےٰ کے احسانوں کو یاد کرکے اُسکی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنالے گا۔

چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دیگا نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اُسکی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اُس سے مُنہ نہ پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعتِ ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآنِ شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرلے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دیگا۔

ہفتم یہ کہ تکبّر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم یہ کہ دین اور دین کی عزّت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خدا تعالیٰ داد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم یہ کہ اس عاجز سے عقدِ اخوّت محض للہ با قرارِ اطاعت در معروف باندھ کر اُس پر تا وقتِ مرگ قائم رہے گا اور اس عقدِ اخوّت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اُسکی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلّقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

یہ وہ دس شرائط ہیں جن پر بیعت ہوتی ہے۔ اب انکے مطالعہ سے آپ سمجھ گئے ہونگے کہ جو شخص بسلامتیِ حواس اِن شرائط پر کسی سے اقرار کرتا ہے تو وہ کیسا مسلمان ہو گا یا کم از کم اب کیسا مسلمان بن گیا ہو گا؟

دعوت

مَیں ایک دفعہ پھر آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اپنی نیتّوں کو صاف کر کے، دل سے بغض و عناد کو دور کر کے اور خالصتہً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اوّل تو خوب تحقیق کریں اور اُس سے بھی اگر اطمینان حاصل نہ ہو تو مسنون طریق پر استخارہ کریں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو غیب سے روشنی عطا ہو گی اور آپ خود بخود سیدھی راہ اختیار کریں گے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا مناسب سمجھے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے پھر وہ خود ہی گمراہ رکھنا مناسب سمجھے تو اُسے کوئی ہدایت بھی نہیں دے سکتا۔ لہٰذا میری آخر میں یہ دُعا ہے کہ خداوندِ عزّ و جلّ آپ کو اُن لوگوں میں رکھے جنہیں وہ ہدایت دینا

مناسب سمجھتا ہے اور اُن لوگوں میں نہ رکھے جنہیں وہ گمراہ رکھنا مناسب سمجھتا ہے اور ہدایت نصیب کرے تاکہ آپ بھی احمدیّت قبول کر کے اِس نظام میں شامل ہو جائیں اور اِس طرح سے اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی مہم میں اسلام کے ایک سپاہی اور جرنیل کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے فداکارانہ اپنا جان و مال خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں۔ آمین.

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بازارِ کلاں
پشاور
۲۴ر مارچ ۱۹۳۳ء

محمد اللہ بخش ضیاء

آئینِ فطرت کے مطابق اقوام و ملل کی تعمیر و تخریب کے اٹل قانون

کی روشنی میں

ہندوستان کی عہدِ انگریزی میں تمام سیاسی اور اصلاحی تحریکات پر

علمی اور عملی نقطہ ہائے نظر سے ایک مکمّل اور مبسوط غیر جانبدارانہ تبصرہ

اور

مسائلِ حرّیت و قومیّتِ متحدّہ ہند نیز حصولِ آزادی یا درجۂ

مستعمرات کے لئے جدوجہد کے طریقۂ کار پر محققانہ نظر

یعنی

المجاهد فی سبیل ذی الکبریاء

محمد اللہ بخش ضیاء

کی

دنیائے سیاسیات میں تہلکہ مچادینے والی تصنیف

(دیکھئے دیکھو صفحہ آئندہ)

تبصرہ

جو

عنقریب شائع کیا جاسکے گا

اِس کتاب میں قوموں کے بننے اور بگڑنے کے اسباب وعلل بیان کرکے ہندوستانی اقوام کے بننے یا بالفاظِ دیگر آزادئی ہند کے مسئلہ سے محققانہ بحث کی گئی ہے اور جنگِ آزادی کے مروجہ لائحۂ عمل پر فاضلانہ تبصرہ کے بعد اِس امر کی تحقیق کیگئی ہے کہ اہلِ ہند کس طرح غالب آسکتے ہیں۔ قومیّتِ متحدہ ہند اور درجۂ مستعمرات سے جو حکیمانہ بحث کی گئی ہے اُمور کا علم حاصل کرنا عہدِ حاضرہ کے ہر پڑھے لکھے انسان کے لئے بالعموم اور ہندوستان کے انقلاب پسند، آزادی خواہ اور انتہا پسند و اعتدال پسند قوم پرست حضرات کے لئے بالخصوص لازمی اور ضروری ہے۔

نوجوانانِ وطن کو اِس کتاب کے مطالعہ سے صحیح راہِ عمل نظر آجائے گی اور قوم پرستوں کو یہ کتاب مشعلِ ہدایت کا کام دے گی۔

ادارۃ الاشاعۃ للتبصرہ

پشاور

باہتمام چودھری اللہ بخش طابع
دی اللہ بخش سٹیم پریس، قادیان، ضلع گورداسپور (پنجاب) میں طبع ہوا